THE CHRISTIAN MINISTER IN INDIA
By C. W. RANSON
کلیسیائے ہند اور مسیحی خادم
مترجمہ
پادری برکت اللہ ایم۔ اے
(فیلو آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی لنڈن)
پنجاب ریلجس بک سوسائٹی۔ انارکلی لاہور
طبع اول
۱۹۴۶ء
تعداد ۵۰۰

۱

کلیسیائے ہند اور مسیحی خادم الدین

مصنفہ

پادری سی۔ ڈبلیو۔ ریئنسن ایم۔اے

مترجمہ

پادری برکت اللہ۔ ایم۔اے

فیلو آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی۔لندن

پنجاب ریلجس بک سوسائٹی

انارکلی۔لاہور

The publication of this book was assisted with a grant made by the Literature Committee of the N.W.I.C.C.

فہرست مضامین

دیباچۂ مترجم

نیشنل کرسچن کونسل کے سکرٹری پادری سی ڈبلیو رینسن صاحب کی کتاب دی کرسچن منسٹری ان انڈیا کو ناظرین کے سامنے اردو جامہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ ترجمہ کی نسبت یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شمالی ہند کے اردو خوان ناظرین کی ضروریات، معلومات اور واقفیت عامہ کو مدنظر رکھ کر کتاب کا بیشتر حصہ لفظ بلفظ عام فہم زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ لیکن بعض مقامات کی عبارتوں کے مفہوم کو چند فقروں میں ادا کرنا مناسب خیال کیا گیا ہے اور بعض اوقات خلاصہ پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔ انگریزی کتاب کے ضمیموں کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ یہ کوشش کی گئی ہے کہ اردو ترجمہ رواں اور سلیس زبان میں ہو اور پڑھنے والے کی طبیعت پر گراں نہ گزرے۔

ان انگریزی الفاظ کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ جو اردو میں عام طور پر مستعمل ہیں۔ مثلاً پروگرام، کالج، یونیورسٹی وغیرہ دینیات کے اداروں کے نام اور کلیساؤں کے نام کا بھی ترجمہ نہیں کیا گیا۔ مثلاً نارتھ انڈیا یونائیٹڈ تھیولوجیکل کالج، یونائیٹڈ چرچ آف نارتھ انڈیا وغیرہ۔

کتاب کا مضمون کلیسیا کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے میری دعا ہے کہ اس کے مطالعہ سے شمالی ہند کی کلیسیا اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں سے واقف ہو کر خدا سے مدد اور توفیق پا کر ان کو پورا کرنے کی کوشش کرے۔

برکت اللہ

انارکلی۔ بٹالہ۔

باب اول

تمہید مصنف

(۱)

گذشتہ چند سالوں سے ہندوستان، برما اور لنکا کی نیشنل کرسچن کونسل خادمان دین کی تعلیم و تربیت کے معاملہ پر غور کرتی چلی آتی ہے ۱۹۱۲ء سے یعنی جب سے یہ کونسل از سر نو منظم ہوئی تعلیم دینیات کی کمیٹی برابر وجود پذیر رہی ہے اور اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کا سلسلہ جاری رہا ہے پس گذشتہ بیس سالوں کے غور و فکر اور تجسس و تفتیش نے موجودہ رپورٹ کی ترتیب میں بہت مدد دی ہے۔

(۲)

اگرچہ لنڈسے کمیشن کی رپورٹ کا تعلق خاص طور پر کالجوں کی تعلیم کے ساتھ ہی تھا۔ تاہم نیشنل کرسچن کونسل اور بعض مشنوں کی درخواست پر اس کمیشن نے اپنی رپورٹ (۱۹۳۲ء) میں دینیات کی تعلیم پر بھی ایک باب کا اضافہ کیا تھا اور اس میں ذیل کے امور پر زور دیا تھا:۔

(۱) دینیات کے کالجوں کے ذرائع اور وسائل کو دیگر کالجوں میں استعمال کیا جائے تاکہ مسیحیت کو عملی صورت میں ترکیب دینے کی علمی تحقیق

ہوگا مگر یہ خیال اُس کے دل میں مسیح کی حالت پر غور کرنے سے پیدا نہیں ہُوا
تھا بلکہ وُہ یوحنا کا قاتل تھا۔ اُس کے خُون کے سبب اُس کی تمیز اُسے دُکھ
دے رہی تھی ÷

پس اُس کی خراب حالت اِس خیال کی موجد تھی نہ اَور کوئی بات ÷

"اور بعض ایلیاہ بتاتے ہیں"۔ یعنی ایلیاہ پیغمبر پھر دُنیا میں آگیا ہے جیسے
ملاکی ۴: ۵ میں خبر ہے۔ اِن لوگوں نے نہ مسیح کی حالت پر غور کیا اور نہ ملاکی
پیغمبر کی پیشین گوئی پر خُوب لحاظ کیا ÷

"بعض یرمیاہ بتاتے ہیں"۔ یہ خیال لوگوں میں شاید اِس لئے پیدا ہُوا کہ یرمیاہ
بھی ایک جفاکش آدمی تھا پھر جب انہوں نے مسیح کی جفاکشی کو دیکھا تو گمان
کیا کہ شاید یہ یرمیاہ ہے جو اپنی قوم اسرائیل کے لئے سخت جفاکشی کرتا ہے۔
اگرچہ یہ خیال بھی درست نہ تھا تو بھی یہ مسیح کی جفاکشی کا گواہ ہے ÷

بعض کہتے ہیں کہ نبیوں میں سے ایک نبی ہے خواہ کوئی جی اُٹھا یا نیا نبی پیدا
ہُوا۔ یہ خیال آج تک مسلمانوں میں چلا آتا ہے کہ اُسے ایک نبی جانتے ہیں۔ یہ خیال
مسلمانوں کا نیا نہیں ہے وہ پرانا خیال ہے جو بعض یہود میں تھا اور مسیح کی زندگی
میں وہ اُس کے سامنے رکھتے تھے ÷

مسیح نے اِن چاروں خیالوں کو درست نہیں جانا بلکہ رد کیا اور یوں کہا تم
کیا کہتے ہو؟ یعنی اُن کے سب خیالات تو میں نے سنے وہ درست نہیں ہیں۔
وہ سب اپنے باطل خیالات میں مبتلا ہیں۔ تم اپنا خیال بتاؤ کیا تم بھی انہی کے خیالوں
میں سے کوئی خیال رکھتے ہو یا تمہارا خیال کچھ اور ہے؟

وُہ لوگ بہت دور رہتے ہیں۔ اُن کی عقل نے صحیح نتیجہ نہیں نکالا۔ وہ بڑی غلطی میں مبتلا
ہیں۔ مگر تم نزدیک ہی حضوری میں رہتے ہو۔ تم ہر وقت میرے ساتھ رہے ہو مجھے اچھی طرح
دیکھا اور پرکھا۔ میری قدرت دیکھی۔ میری پاکیزگی سے واقف ہوئے۔ تم پر صحیح اعتقاد کا
زیادہ بھروسہ ہے پس اپنا خیال بھی مجھ پر ظاہر کرو تاکہ میں صحیح خیال پر قبولیت کی مہر
لگا کر ظاہر کروں کہ کونسا خیال موجب نجات ہے ÷

تب پطرس نے سب کی طرف سے وکیل ہو کر جواب دیا "تو زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے"۔
ہمیں کچھ پروا نہیں کہ علمائے یہود تیری بابت اختلاف میں ہیں۔ ہم پر جو کچھ ظاہر
ہُوا ہے صاف صاف بتاتے ہیں کہ تو مسیح موعود ہے جس کا سب پیغمبر انتظار کرتے
تھے اور تو زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے" ÷

پطرس نے اِس جواب میں اُس کی انسانیت اور الوہیت پر پوری گواہی دی
اور یہ فقرہ عبادت کے طور پر کہا کہ "تو زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے"۔ تو مسیح ہے یعنی ابن
داؤد ہے جو انسان ہے۔ اور تجھ میں الوہیت ہے کیونکہ زندہ خدا کا بیٹا ہے یعنی الحی
القیوم خدا کا حقیقی بیٹا ہے پس تو انسان اور خدا ہے اور الٰہی زندگی تجھ میں ہے
یہ ایمان کا پورا اقرار ہے جس دل میں یہ اقرار بستا ہے اس دل میں اس اقرار کے
ہر جُز کی تاثیر نمایاں ہوتی ہے ÷

یہ سنکر خداوند مسیح نے فرمایا "تو مبارک ہے" یعنی وہ سب خیالات والے اشخاص
نامبارک ہیں۔ جب تک کہ یہ خیال جو تمہارا ہے اُن کے ذہن میں نہ آجائے تب
تک وہ الٰہی برکات سے محروم ہیں۔ پس اگر کوئی خدا سے آسمانی برکات کا
امیدوار ہو تو ضرور ہے کہ یہ عقیدہ رکھے۔

اب دیکھو خداوند مسیح نے اس اختلاف کا کیسا صاف صاف فیصلہ کر دیا۔ جو لوگ اب بھی قبول نہ کریں اُن کا کیا علاج ہے ؟

پھر دیکھو مسیحی کیسا صحیح اور پاک عقیدہ صفائی کے طور پر مسیح سے دریافت کر کے رکھتے ہیں اور اہل اسلام۔ یونی ٹیرین۔ برہمو سماج وغیرہ کیسی ہٹ دھرمی سے غلطی میں مبتلا ہیں۔ وہ جسمانی ہیں لہٰذا جسم کی باتیں بولتے ہیں ؛

مسیح نے یہ بھی فرمایا کہ یہ بھید دنیاوی عقل نے نہیں مگر خدا باپ نے تجھ پر ظاہر کیا ہے۔ یہ اُسی الٰہی آواز کی گونج تھی جو پطرس نے پہاڑ پر سُنی تھی کہ "یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں راضی ہوں۔" وہی گونج اُس کی روح میں گونجتی تھی ؛

اور وہی گونج خدا کے گنبد یعنی اُس کی کلیسیا میں آج تک گونجتی ہے اور روز بروز بڑھتی جائے گی ؛

مسیح نے نہ صرف یہی فرمایا کہ تُو مبارک ہے اور خدا سے تُو نے یہ بات سیکھی ہے بلکہ تمام برکاتِ آسمانی کا ہجوم اُسی وقت پطرس کی نسبت ظاہر کر دیا اور فرمایا "تُو پطرس ہے" یعنی پہلے تو تیرا نام شمعون تھا اور جب تُو میرے پاس آیا تھا تو میں نے ایک پیشین گوئی کی تھی کہ تُو پطرس کہلائیگا (یوحنا ۱ : ۴۲) سو میں آج تجھے پطرس کا لقب دیتا ہوں اور یہ لقب تیرے اِس ایمان کے سبب سے ہے کیونکہ میں پہاڑ یعنی اٹل ہوں ؛

"تُو پطرس ہے" یعنی مجھ پہاڑ کا ایک پتھر مضبوطی کے لحاظ سے اور یہ درجہ تُو نے اِس صحیح اعتقاد کے سبب سے پایا۔ وہ لوگ جو یہ اعتقاد نہیں رکھتے گھاس پھوس اور بھوسے کی مانند ہیں جسے ہوا اُڑا لے جاتی اور جسے آگ جلد جلا دیتی ہے پس وہ اور اُن کے سب خیالات جو بے بنیاد اور بہت ہی کمزور ہیں برباد ہونگے لیکن تُو اِس اعتقاد کے سبب سے پتھر کی مانند مضبوطی حاصل کر گیا ہے۔ تُو زندہ خدا کے بیٹے مسیح پر اعتقاد رکھتا ہے اِس لئے خدا کی زندگی تجھ میں آ گئی جس کو کسی طرح زوال نہیں ہو سکتا ؛

"میں اِس پتھر یعنی اِس مضبوط و صحیح عقیدہ پر اپنی کلیسیا بناؤنگا" پس جو لوگ اِس عقیدہ پر قائم ہونگے وہی میرے لوگ ہونگے۔ انہیں کچھ خوف نہیں ہے اور وہ کبھی ٹلیں گے نہیں ؛

(فائدہ) بھائیو دیکھو جو لوگ یہ عقیدہ نہیں رکھتے وہ سب مسیحی کلیسیا سے خارج اور معرض زوال میں ہیں۔ لیکن جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں خواہ کسی مسیحی جماعت میں ہوں وہ سب مسیحی ہیں کیونکہ تمام مسیحی کلیسیا یا اُمت اِسی اعتقاد پر قائم ہے۔

"دوزخ کے دروازے اُس پر غالب نہ آئینگے" یعنی گناہ و ابدی موت اور بدطینی و بد اعتقادی جو دوزخ کے دروازے ہیں اگرچہ ایسے لوگوں پر زور ماریں مگر غالب نہ آ سکینگے۔ زندہ خدا کے بیٹے کا اعتقاد جو اُن کی روحوں میں بستا ہے انہیں ایسی طاقت بخشے گا کہ یہ چیزیں اُن پر غالب نہ ہونگی بلکہ مغلوب ہونگی ؛

"میں آسمان کی بادشاہت کی کنجیاں تجھے دونگا۔" کنجیاں جن سے دروازہ کھولا جاتا ہے تاکہ تُو بہتوں کے لئے دروازے کھول دے۔ اصل میں وہ کنجیاں میری ہیں میں جن کنجیوں کا مالک ہوں (مکاشفات ۱ : ۱۸ و ۳ : ۷) اور یہی کنجیاں ہیں جو شریعت کے عالموں کو دی گئی تھیں اب اُن سے لیکر تجھے دونگا (لوقا ۱۱ : ۵۲) کیونکہ نالائقوں سے لی جاتی اور لائقوں کو دی جاتی ہیں

(یسعیاہ ۲۲/۲۲)

میرے سب شاگرد جو ایمان کا یہ صحیح اقرار تھام رہے ہیں ان کنجیوں کے مالک ہیں اور اس لئے جو کچھ وہ زمین پر باندھتے ہیں آسمان پر بندھتا ہے۔ اور جو کچھ وہ زمین پر کھولتے ہیں آسمان پر کھلتا ہے (متی ۱۶/۱۹)

پس ناظرین کو سوچنا چاہئے کہ اس اختلاف کا فیصلہ کیسی خوبی کے ساتھ خداوند کی زبان مبارک سے ہو گیا ۔

اور ظاہر ہے کہ جس وقت یہ سوال ہوا اور یہ جواب سنے گئے اس وقت مسیحی دین دنیا میں کسقدر کمزور بلکہ چند آدمیوں میں تھا اور اس کے مخالف کیسے کثرت سے تھے اور انہوں نے اس کی بربادی میں کیسی کیسی کوششیں کیں تو بھی یہ دین قائم اور جاری ہوا اور جہان کو گھیر لیا اور اسی پاک عقیدہ پر کہ یسوع مسیح زندہ خدا کا بیٹا ہے آجتک یہ دین کیسی مضبوطی سے قائم ہے ۔

پس مسیح کا یہ وعدہ کہ میں اس چٹان پر یعنی اس پتھر پر اپنی کلیسیا قائم کرونگا کیونکر پورا ہوا ۔

اور یہ کہ مسیحی تمام جہان کے لوگوں سے زیادہ کلام الٰہی کے اسرار اور خدا کی پاک راہیں ظاہر کرتے ہیں مسیحیوں کے سوا دنیا میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں جو الٰہی معرفت کے بھید بتلائے ۔ اس کا سبب یہی ہے کہ اسی اقرار کے سبب آسمان کی بادشاہی کی کنجیاں ان کے پاس ہیں اسی لئے وہ بھیدوں کو کھول سکتے ہیں ۔

اور ہم یہ بات بھی تجربہ سے دیکھتے ہیں کہ جو مسیحی اس پاک عقیدہ پر قائم

رہتے ہیں وہ ضرور دنیا جسم اور شیطان پر غالب آتے ہیں جیسا اس کا وعدہ تھا کہ دوزخ کے دروازے اس عقیدہ کے ماننے والوں پر غالب نہ آئینگے ۔ یہ بات بھی سچ پائی گئی ۔

پس جب مسیح نے اس اعتقاد کو سچ اور برحق بتایا اور اس کے ماننے والوں کو مبارک کہا ۔ اور اس عقیدہ کے ساتھ جن برکات کا وعدہ کیا وہ سب بھی اس عقیدہ کے ماننے والوں میں پائی گئیں اور اب بھی پائی جاتی ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ برحق ہے اور اس کے منکر برکات سے محروم ہیں اس لئے خدا کے سچے متلاشیوں کو ان باتوں پر فکر واجب ہے ۔

اس کے بعد جب مسیح مصلوب ہونے کو یروشلم میں آیا اور یہودیوں کو بہت سی نصیحتیں اور ملامتیں بھی کیں اور ان کے سوالات کے تسلی بخش جواب بھی دیئے تو آخر میں پھر ان سے یہی سوال کیا کہ تمہارا کیا خیال ہے ؟ مسیح کس کا بیٹا ہے ؟ تم نے کلام سے کیا معلوم کیا کہ مسیح موعود کس کا بیٹا ہوگا ؟

اور یہ سوال اس نے ان سے اس لئے کیا کہ اس بڑے بھاری عقیدہ کا تصفیہ خاص ہیکل میں علمائے یہود کے سامنے بلکہ تمام خاص و عام کے سامنے رخصت کے وقت کر کے اس دنیا سے جائے اور کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہو کہ اس نے صرف شاگردوں ہی کو خلوت میں یہ بات سنائی ہوگی علانیہ علمائے دین سے اس کا ذکر اور تصفیہ کیوں نہ کیا ؟

پس جب سب لوگ جمع تھے تب اس نے پھر یہ سوال کیا کہ مسیح کس کا بیٹا ہے (متی ۲۲/۴۲) یہودیوں نے جواب دیا کہ وہ داؤد کا بیٹا ہے اور یہ جواب انہوں نے زبور [illegible] سے

دوسرا باب!

ہندوستانی کلیسیا اور پاسبان

(۱) ہندوستانی پس منظر

روحوں کی نگہداشت اور پاسبانی مسیحیت کا طرۂ امتیاز ہے
دیگر مذاہب میں نبیوں، کاہنوں، پروہتوں اور انتظام کرنے والوں کے
لیے جگہ ہے لیکن پاسبان کے عہدے اور فرائض کا کہیں ذکر نہیں یہ صرف
مسیحیت کا خاصہ ہے کہ اس میں پاسبان کا عہدہ موجود ہے۔ ہندوستان
کے مذاہب میں بعض ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جن کے ذریعہ مسیحی مکاشفہ
اور عقائد کا اظہار ہو سکتا ہے لیکن ان مذاہب میں کہیں بھی ایسی بات
نظر نہیں آتی جس کی شباہت مسیحی پاسبان کے فرائض سے پائی جاتی ہو اور
جس سے یہ ظاہر ہو سکے کہ امام جماعت خادم جماعت بھی ہے۔

غیر مسیحی ہندوستانی طریقوں میں ایک شے ہے جو موجودہ زمانہ میں
مسیحیت کے لئے کارآمد ہو سکتی ہے یعنی وان پرست آشرم یا وہ جماعتیں
جو قدیم ہندو زمانہ میں جنگلوں میں رہتی تھیں۔ گوروکل کے طریقہ کا تعلق ان
آشرموں کی نشوونما کے ساتھ ہے۔ مسٹر پی۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ آشرم

ہندو مت کے ابتدائی دینیات کے مدرسے تھے۔ جس زمانہ میں چھاپے کے
حروف نہیں تھے اور کتابیں جمع نہیں ہوتی تھیں گوروکل کا طریقہ تعلیم
ایک اہم ضرورت کو پورا کرتا تھا۔ لیکن جب طلبا کی تعداد بڑھنے لگی اور استاد
تعلیم کو ذریعہ معاش بنانے کے لیے قصبوں اور شہروں میں رہنے لگے۔ تو
یہ طریقہ بند ہو گیا۔ آشرم بھی مدرسے ہوتے تھے۔ جن میں طلبہ کی
صرف محدود تعداد لی جاتی تھی۔ ان میں تصوف کے عقائد کو جوگ سے متعلق کیا گیا تھا تصو
ف کو تو کوئی قابل شخص ہی پڑھا سکتا تھا اور جوگ کا علم اور فن کسی گورو کے ذریعہ
ہی حاصل ہو سکتا تھا۔ پس طلبا کی جماعت بطور ایک خاندان کے رہنے سہنے لگی اور یہ
خیال پیدا ہو گیا کہ تعلیم گورو اور چیلے کے شخصی تعلقات کے ذریعہ بہترین طور پر دی جا سکتی
ہے۔ پس آشرم کے طریقے نے یہ سکھایا ہے کہ گورو روحانی زندگی کی تعلیم دینے والا ہے لیکن استاد
کا کام محض جماعتی اور ذہنی نشوونما کے ساتھ ہے۔

مسیحیت کو ہندوستانی طریقوں پر ڈھالتے وقت ہمیں یہ یاد رکھنا
چاہئے کہ اگرچہ یہ ضروری امر ہے کہ ہم مسیحیت کے عقائد وغیرہ کا اظہار
ہندوستان کے اپنے محاورات اور خیالات کے مطابق کریں تاہم ہمیں ہر
وقت خبردار رہنا چاہئے مبادا ہم مسیحیت کے خصوصی پیغام کو مسخ کر کے
اس کی شکل نہ بگاڑ دیں اور مسیحی پاسبان کے تصور کو (کہ وہ خداوند کے
گلہ کا چرواہا ہے) زائل نہ کر دیں۔

(۲) شامی کلیسیا

جنوبی ہند کی شامی کلیسیا قدیم کلیسیاؤں میں سے ہے اور ہندوستان
میں قدیم ترین مسیحی جماعت ہے روایت ہے کہ مقدس توما رسول نے اس

کلیسیا کی ابتدا والی تاریخ ہم کو بتلاتی ہے کہ مسیحی قدیم زمانہ سے ساحل مالابار
پر رہتے چلے آئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلیسیا سولھویں صدی تک ایک واحد اور
غیر منقسم کلیسیا رہی۔ اس دوران میں پاسبان کی نگہداشت اور قاعدۂ عبادت
کے متعلق ہم بہت کچھ نہیں جانتے لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قدیم زمانہ سے
ہی ان مسیحیوں میں پاسبان موجود تھے اور ایشیائے کوچک کی کلیسیاؤں
کے بشپ ان کے نگران تھے۔

جب ہندوستان میں پرتگیزوں کا غلبہ ہوا رومی کلیسیا نے ان مسیحیوں
کو جبراً پوپ کے ماتحت کر دیا اور یوں اس کلیسیا میں پھوٹ پڑ گئی جو اب
تک موجود ہے ایک زمانہ تک تو یہ مسیحی رومی کلیسیا کے ماتحت رہے۔ لیکن
بعد میں انہوں نے اس کے پنجہ سے آزادی حاصل کر لی اور روم سے الگ ہو
گئے پس سترھویں صدی کے درمیانی زمانہ سے شامی کلیسیا کی تاریخ دو
حصوں میں منقسم ہو گئی۔ ایک حصہ شامی کلیسیا کا وہ حصہ ہے جو رومی کلیسیا
کے ماتحت رہا۔ یہ حصہ تعداد میں زیادہ ہے۔ پوپ نے ان کو اجازت دے
دی ہے کہ عبادت کو لاطینی رسوم کی بجائے شامی رسوم کے مطابق ادا کیا کریں
سنہ ۱۹۴۱ء میں رومی شامی مسیحیوں کی تعداد ساڑھے آٹھ لاکھ تھی۔ آزاد
شامی مسیحیوں کا دوسرا حصہ انطاکیہ کے یعقوبی فرقہ کے بطریق کے ماتحت
ہو گیا۔ اور اس فرقہ کے بشپ ان کی پاسبانی کرنے لگے اور یوں ڈیڑھ سو سال
تک یہ آزاد طبقہ اپنے عقائد اور رسوم کا پابند رہا۔ اور اس بات کا قائل رہا
کہ اس کی ابتدا رسولی زمانہ سے ہے

اس کلیسیا کی انجیل اور نماز کی کتاب شامی زبان میں تھی جس کو عام
لوگ نہیں سمجھتے تھے۔ لہٰذا مذہبی تعلیم کم ہوتی گئی۔ پس چرچ مشنری سوسائٹی

نے [illegible] مشنری بھیجے تاکہ اس کلیسیا کو بیدار کریں۔ ان مشنریوں کے بھیجنے کی غرض
یہ تھی کہ شامی کلیسیا اپنی قدیم طرز عبادت کی پیروی سے اور انگریزی کلیسیا
کی رسوم وغیرہ کو اختیار نہ کرے۔ لہٰذا مشنریوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ ایک
کلیسیا کی بجائے دوسری کلیسیا قائم نہ کریں۔ بائبل سوسائٹی نے ان کی
بائبل کو شائع کیا تاکہ وہ شامی کلیسیاؤں میں استعمال کی جائے اور اس کا ترجمہ
ملیالم زبان میں کر کے شائع کر دیا۔ اس کے بعد مشنریوں نے شامی خادمان
دین کی تعلیم و تربیت کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ بیس سال تک یہ مشنری شامی
کلیسیا کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے لیکن بعدہٗ آپس کی غلط فہمیوں کے سبب سے
وہ ۱۸۳۶ء میں اس کام سے دستبردار ہو گئے اور انہوں نے ٹراونکور اور کوچین
میں انگریزی کلیسیا قائم کر دی۔

ہم اس قدیم کلیسیا کی تاریخ نہیں لکھ رہے ہیں ہم یہ بتلانا کافی سمجھتے ہیں
کہ آج رومی شامی کلیسیا کی شاخ کے علاوہ شامی کلیسیا کے دو حصے ہیں
ایک آرتھوڈوکس (تقلید پسند) شامی کلیسیا اور دوسرا حصہ مارتوما شامی کلیسیا کا
ہے۔ پہلے حصے میں قریباً چار لاکھ مسیحی ہیں اور دوسرے حصے کی تعداد قریباً
ایک لاکھ [illegible] ہزار ہے۔ پہلے حصہ یعنی تقلید پسند شامی کلیسیا [illegible]
[illegible] بطریق کا [illegible] جو انطاکیہ کے بطریق کے ماتحت ہے اور دوسرا
حصہ [illegible] جو کوٹیم کے [illegible] [illegible] ہے۔
آرتھوڈوکس کلیسیا میں یہ رسم تھی کہ لڑکوں کو ان کے لڑکپن ہی [illegible]
[illegible] کسی تجربہ کار پریسٹ کے پاس کچھ مدت [illegible] رہنے [illegible]
[illegible] کو [illegible] ایک پریسٹ کے خاندان میں بود و باش کرتے تھے۔ اور
[illegible] سے بائبل اور نماز کی کتاب کا علم اور پاسبانی تجربہ حاصل کرتے تھے۔

طریقہ کار کرسچین کے طریقہ سے مشابہت رکھتا ہے اور دورِ حاضر کی ضروریات کے مطابق ڈھالا جا سکتا ہے۔

شامی کلیسیا میں جماعت کے لوگوں کو کچھ حقوق حاصل ہیں۔ آرتھوڈوکس کلیسیا کے پریسٹ سب کے سب اسی جماعت کی کلیسیا کے لوگ ہوتے ہیں اور جماعت ان کو منتخب کرتی ہے اور کلیسیا کی درخواست پر بشپ ان کو کلیسیائی کام کے لئے لڑکپن سے ہی مقرر کر دیتا ہے۔

بشپ اپنی پسند کے آدمی کسی جماعت پر مقرر نہیں کر سکتا۔ جب کلیسیا کسی امیدوار کو منتخب کرتی ہے تو وہ ڈیکن بنایا جاتا ہے اور وہ کسی ایسے مدرسہ دینیات میں تعلیم و تربیت پاتا ہے جس کا تعلق بشپ سے ہو۔ ان مدرسوں میں علم الٰہیات، تاریخ کلیسیا یا بائبل یا بائبل کی تعلیم باقاعدہ طور پڑھائی جاتی ہے بلکہ شامی نماز کی کتاب کی تعلیم دی جاتی ہے کیونکہ یہ پریسٹ کی تعلیم و تربیت کے لئے لازمی سمجھا جاتا ہے۔ ڈیکن کی تعلیم و تربیت کے بعد وہ پریسٹ بنایا جاتا ہے۔ بڑی کلیسیاؤں میں تین سے لے کر آٹھ یا دس پریسٹ ہوتے ہیں جن میں سے ہر ایک باری باری ایک سال تک سرگرم پریسٹ ہوتا ہے یا سب سے معمر شخص تا زیست پریسٹ ہوتا ہے۔ کوئی پریسٹ چھوٹی کلیسیاؤں میں اپنی جائے رہائش نہیں رکھتا۔ بلکہ شہروں کی بڑی کلیسیاؤں میں سے ایک پریسٹ ان کے پاس ہر اتوار یا ہفتہ میں دو مرتبہ پاک عشا کی رسم ادا کرنے جاتا ہے۔ اور ضرورت کے وقت موقعہ کے مطابق ان میں خدمت کرتا ہے۔

آرتھوڈوکس کلیسیا میں خادم الدین کی پرورش جماعت کے ذمہ ہوتی ہے۔ خادم الدین عموماً ایسے خاندان سے تعلق رکھتا ہے جو پشت در پشت کلیسیائی

جائداد کا متولی رہا ہو۔ ان کی آمدنی بپتسموں کی فیس، نکاحوں کی فیس اور دیگر رسوم کی فیس پر مشتمل ہوتی ہے اور وہ عموماً بہت غریب ہوتے ہیں۔

کوشش کی گئی ہے کہ آرتھوڈوکس کلیسیا کے خادمانِ دین کی تعلیم و تربیت موجودہ حالات کے مطابق کی جائے۔ مدراس شہر میں پادری کا مدرسہ دینیات قائم ہے جہاں نہ صرف قدیمی نماز کی کتاب کی تعلیم دی جاتی ہے بلکہ الٰہیات کی بھی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے۔ کلیسیا کی دونوں شاخوں میں یہ خواہش موجود ہے کہ صرف ایسے اشخاص کو پریسٹ کے عہدہ پر مامور کیا جائے جو یہ تعلیم و تربیت حاصل کر چکے ہوں لیکن قدیم خیالات کا خاتمہ جلدی نہیں ہوتا اور لڑکوں کو ڈیکن بنا دینے کا دستور ابھی تک جاری ہے۔

مارتھوما کلیسیا کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ رسولی زمانہ سے چلی آتی ہے۔ اور اس میں بشپ ہوتے ہیں۔ اگرچہ جماعت کلیسیا کا نظام خود اختیاری ہے تاہم آرتھوڈوکس شامی کلیسیا کی نسبت اس کا انتظام مرکز کے ہاتھ میں زیادہ ہے اور اس کے خادمانِ دین کی تعلیم و تربیت زمانہ حاضر کے زیادہ مطابق ہے سالہا سال سے کوٹیم میں اس کا مدرسہ دینیات بھی قائم ہے اور ۱۹۳۳ء سے مارتھوما کلیسیا ٹریونڈرم کی یونین تھیولاجیکل سیمنری کے ساتھ تعاون کر رہی ہے۔ اس کلیسیا کی یہ خواہش ہے کہ اپنے خادمانِ دین کو دینیات کی باقاعدہ تعلیم و تربیت دے۔

سنہ ۱۹[illegible]ء سے شامی مسیحی طلبا (جن کا تعلق آرتھوڈوکس اور مارتھوما کلیسیا دونوں سے ہے) مالابار کے باہر دینیات کی تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ وہ سیرامپور، بشپ کالج اور بنگلور اور جبلپور کے دینیات کے کالجوں میں عام طور پر جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض [illegible]

ہیں۔ تاہم ہمیں یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ۱۹۲۶ء تک یہاں بنگالی
زبان میں ایک صدی سے زیادہ عرصے تک تعلیم دی جاتی تھی۔
کانتے کے مستقل اقتدار نے ناگہاٹ میں ایک مختصر سا مدرسہ
الٰہیات معمول رکھا ہے۔ جس میں ایک استاد اور دو طلبا ہیں آسٹریلین
بپٹسٹ نارن مشن نے بیرن سری میں بائبل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ
کو اُن کارندوں کے لئے قائم کیا ہے جو میمن سنگھ اور آسام کے گارو
پہاڑیوں میں کام کرتے ہیں۔ یہ ادارہ قدیم اصلی باشندوں کی ضروریات کو
بہت اچھی طرح پورا کر رہا ہے۔ آکسفورڈ مشن نے بھی امیدواران تقرر
کے لئے ایک جماعت کھول رکھی ہے۔

ایک تجویز ہے کہ بنگال کے لئے ایک مدرسۂ دینیات قائم کیا جائے
جس میں تمام بڑی بڑی اصلاح یافتہ کلیسائیں اشتراک عمل سے حصہ
لیں۔ ایسے مدرسے کی اشد ضرورت ہے۔

(۲) اڑیسہ۔ بنگال کی نسبت اڑیسہ میں دینیات کی تعلیم کا بہتر انتظام
ہے اس علاقہ میں دو مدرسے ہیں یعنی کٹک کا کرسچن ٹریننگ کالج
اور کوٹہ پدا کی لوتھرن سمینری۔ ان دونوں مدرسوں میں اڑیہ زبان میں
تعلیم دی جاتی ہے۔ موخرالذکر ادارہ جنگ کی وجہ سے بند ہو گیا ہے
لیکن گزشتہ سالوں میں اس میں امیدواران تقرر اور مناد اور امتیازی
کارندے تعلیم پاتے رہے ہیں۔ کٹک کا کرسچن ٹریننگ کالج قریباً
ایک صدی سے چلا آتا ہے۔ یہ بپٹسٹ کلیسیا کا ادارہ ہے۔ اور
اس کے طلبا امریکن۔ برٹش اور نیوزی لینڈ کے بپٹسٹ مشن سے تعلق
رکھتے آئے ہیں۔ اس کی مالی ذمہ داری زیادہ تر برطانیہ کی بپٹسٹ

مشنری سوسائٹی برداشت کرتی ہے۔ اگرچہ امریکن بپٹسٹ مشن اور انگلش جنرل بپٹسٹ کونسل بھی مدد
دیتی ہے اسکے عملہ میں ایک یورپین پرنسپل دو دیسی استاد ہیں اور دس طلبا ہیں جو سب کے سب تقرر کے امیدوار
ہیں اس کا سالانہ بجٹ مشنری کی تنخواہ کے علاوہ ۵۳۹۳ روپیہ ہے

(۳) صوبہ بہار۔ یہاں ہم صرف چھوٹا ناگپور کے متعلق لکھیں گے
اور سنتال اور دیگر قدیم اصلی باشندوں کی ضروریات کا بعد میں ذکر کریں گے
یہاں سب سے بڑی چیز رومی کلیسیا کو چھوڑ کر ایونجیلیکل لوتھرن چرچ
ہے جو کئی سالوں سے ایک مدرسۂ دینیات کو چلا رہی ہے۔ اس کے
تین ہندوستانی استاد ہیں اور امیدواران تقرر کی تعداد پندرہ ہے اس کی
مالی ذمہ داری فیڈریشن آف ایونجیلیکل لوتھرن چرچز کے کندھوں پر
ہے اس کا سالانہ بجٹ پانچ ہزار ایک سو روپیہ ہے۔

کلیسیائے ہندوستان برما اور لنکا کا کوئی باقاعدہ مدرسہ نہیں
ہے لیکن استقفی علاقہ کے مختلف حصوں میں حسب ضرورت امیدواران
تقرر کے لئے ایک جماعت کھولی جاتی ہے۔ چھوٹا ناگپور اور آسام کے
استقفی علاقوں کے قریباً ایک سو امیدوار ان جماعتوں سے
تعلیم و تربیت حاصل کر چکے ہیں۔

مسیحیوں میں قدیم اصلی باشندوں کی زبانیں منڈاری اور اوراؤں
بولی جاتی ہیں لیکن جہاں تعلیم کا ذریعہ ہندی زبان ہی ہے یہ باشندے
عموماً ہندی سمجھ لیتے ہیں اور لوگ بھی لیتے ہیں۔ لوتھرن سمینری میں ہندی
کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے۔ گو ضرورت کی بابت انگریزی کا استعمال بھی
کیا جاتا ہے۔

(۴) سنتال۔ سنتالی لوگ صوبہ بہار۔ اڑیسہ۔ بنگال اور آسام

نے اپنی تبلیغی مساعی جاری رکھیں اور نو مریدوں کی روحانی ضروریات
کو پورا کرنے کیلئے دیسی خادمان دین کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا۔
پرتگیزی حکومت نہیں چاہتی تھی کہ دیسیوں کو پریسٹ کے عہدہ پر ممتاز
کیا جائے لیکن ۱۶۳۷ء میں روم نے ایک ہندوستانی برہمن نومرید
متھیو کاسٹرو کو مشنری اسقف (یعنی صدر مبلغ جس کو اسقف کے اختیارات
حاصل تھے) بنا دیا۔ سترھویں صدی کے آخر تک رومی کلیسیا میں چار
ہندوستانی بشپ تھے۔ خادمان دین کی تعلیم و تربیت کا انتظام بھی جاری
رہنے لگا۔ ۱۶۳۵ء میں گوا میں ۵ راہب خانے تھے جن میں پانچ سو
راہب اور پریسٹ تھے اور چاؤل اور دماؤں میں سو راہب خانے
تھے جن میں [illegible] پریسٹ تھے۔ ۱۷۰۰ء میں پرتگیزی افسر نے
کہا کہ اس کے علاقہ میں دو ہزار پانسو آزاد پریسٹ تھے لیکن قابل ترین
اشخاص مشن کا کام کرنے سے انکار کرتے تھے۔ ایک صدی کے بعد پادری
کلاڈیس بوکنن کہتا ہے کہ گوا مدت دراز تک ہندوستان کے ایک بڑے
حصہ کے لئے مدرسہ دینیات رہے گا تین ہزار سے زیادہ پریسٹ اس
جگہ سے متعلق تھے۔

رومی کلیسیا کو سترھویں صدی میں زوال آنا شروع ہوا۔ اور
اٹھارویں صدی میں یہ زوال بڑھتا گیا۔ اندرونی اور بیرونی حالات کی
وجہ سے بعض مقامات سے رومی کلیسیا کا نام و نشان مٹ گیا ۱۷۵۹ء
میں پرتگیزوں نے ہندوستان سے ۲۲۷ جیسوئٹ پریسٹوں میں سے ۱۲۷
کو ملک بدر کر دیا۔ ٹیپو کی ایذاؤں کی وجہ سے کنارا کی کلیسیا منتشر
ہو گئی۔ شمالی ہندوستان میں مشنریوں کی کمی کی وجہ سے کلیسیا صرف رہ گئی

بعض مقامات کے مشن بند ہو گئے اور ساتھ ہی جماعتوں کا بھی خاتمہ ہو گیا
اس زمانہ کو رومی کلیسیا کا تاریک زمانہ کہا جاتا ہے۔
لیکن اس تاریکی کے زمانہ میں بھی کہیں کہیں روشنی نظر آتی ہے۔ چنانچہ
رومی کلیسیا کے علماء نے مشرقی علم و فضل کو حاصل کیا۔ پادری بیشی (وفات ۱۷۴۶ء)
تامل [illegible] تامل زبان کا ایک عالم تھا۔ [illegible] بھی تھا

رومن کیتھولک پریسٹوں کی ایک بڑی تعداد ہندوستان کے علم و فضل، مذہبیات
ثقافت اور تہذیب سے کماحقہ واقف تھی۔ ایبی ڈوبوا کا نام اس سلسلہ میں
خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ان مشنریوں نے سنسکرت زبان کی صرف و نحو کی کتابیں
لکھیں۔ ہندوستان کی قدیم ادبی کتابوں کا ترجمہ کرکے یورپین ممالک کو ہندوستان
سے روشناس کرا دیا۔ دیسی مبلغین کو اسقفی عہدہ پر ممتاز کرنے کا طریق عمل
جاری رکھا گیا اور اس صدی میں تین اور ہندوستانی پریسٹ بشپ بنائے
گئے۔

پوپ گریگوری ششم کے زمانہ انیسویں صدی میں رومی مشن زیادہ قائم
ہوئے۔ اس نے مشن کے اسقفوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا۔ اگرچہ
پرتگیز اس بات کے خلاف تھے۔ اس زمانہ میں ہندوستانی خادمان دین
کی تعلیم و تربیت کے لئے دینیات کے مدرسے کھل گئے۔ ۱۸۹۳ء میں کینڈی
کا مدرسہ تمام ہندوستان کے لئے کھولا گیا۔ کرسی اونگ (بنگال) اور ۱۸۹۹ء میں
اور جنوبی ہند میں منگلور [illegible] مقام میں ۱۹۳۵ء میں مدرسے کھولے گئے۔ دیسی خادمان دین
کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ غیر ملکی مشنری بھی زیادہ تعداد میں آنے لگے اور رومی کلیسیا
تعداد اور وسعت میں بڑھتی گئی اور بیسویں صدی میں بہت ترقی کی۔ ۱۸۵۱ء میں
اس کے مسیحیوں کی تعداد دس لاکھ بھی نہیں تھی لیکن ۱۹۳۱ء میں قریباً ۲۴ لاکھ ہو گئی۔

خادمانِ دین کی تعداد ۱۱ سو سے بڑھ کر ہزار چھ سو تک پہنچ گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی دینیات کے مدرسے اور کالج جا بجا کھل گئے ہیں جن میں نہایت جامع طور پر خادمانِ دین کو کامل تعلیم و تربیت دی جاتی ہے جس کا نتیجہ ہے کہ آج رومی کلیسیا کی دیسی کہانت نہایت مستحکم اور مضبوط ہے۔ ۱۹۴۳ء میں ہندوستان میں رومی کلیسیا کے دینیات کے ۲۶ کالج اور مدرسے موجود تھے جن میں سے ۲۱ مشرقی رسوم اور ۵ لاطینی رسوم کے پابند ہیں۔

(۴) غیر رومی کلیسیاؤں میں دیسی خادمانِ دین کی تعلیم و تربیت

۱

یورپ کی اصلاح یافتہ کلیسیا ایک مدت تک اپنے بشارتی فرض کی جانب سے غافل رہی۔ مگر نارڈ جیسے عالم الٰہیات کہتے تھے کہ دنیا میں انجیل کا پیغام دینے کا حکم صرف رسولوں کی زندگی تک ہی محدود تھا۔ سترھویں صدی کے آخر میں یورپ کی لوتھری اور اصلاح یافتہ کلیسیاؤں میں بشارتی خدمت کی بیداری شروع ہوئی اور غیر مسیحی ممالک میں مسیحی پیغام سنانے کی کوششیں شروع ہونے لگیں۔ ۱۷۰۶ء میں ڈنمارک کے بادشاہ فریڈرک چہارم نے زیگن بالگ اور پلیٹشاؤ کو اس خدمت کے لئے ٹرنکوبار کی بستی میں بھیجا اور انہوں نے پہلا منظم پروٹسٹنٹ (اصلاح یافتہ) مشن ہندوستان میں قائم کیا۔

(۱) الف: لوتھری تعلیم و تربیت۔

ٹرنکوبار کے مشنریوں نے انجیل کی منادی، ترجمے اور سکول قائم کرنے شروع کر دیئے اور نومریدوں کو مناد بنایا۔ ۱۷۱۹ء میں جب زیگن بالگ کی وفات ہوئی۔ اس وقت ۳۵۵ نومرید تھے اور بہت مناد زیرِ تعلیم تھے۔ تمام عہد جدید اور عہد عتیق کا بیشتر حصہ تامل زبان میں ترجمہ ہو چکا تھا۔ ایک تامل لغات تیار ہو گئی تھی، متعدد سکول کھل گئے تھے اور ایک مدرسہ دینیات بھی قائم ہو گیا تھا جس میں کارندوں کو تعلیم و تربیت دی جاتی تھی۔ لیکن نومریدوں میں سے زیگن بالگ کو کوئی ایسا شخص نظر نہ آیا جو اس کے خیال میں خادم الدین کے عہدے پر مامور ہو سکتا۔

اس کی وفات کے چودہ سال بعد ۲۸ دسمبر ۱۷۳۳ء کے روز پہلا ہندوستانی ٹرنکوبار میں خادم الدین کے عہدے پر مقرر کیا گیا۔ اس کا نام ایرن تھا اور وہ ہندوستان میں پہلا پروٹسٹنٹ خادم الدین بنا۔ سات سال بعد ۱۷۴۱ء میں ایک اور مناد ڈیاگو کا بھی تقرر ہو گیا۔ یہ مشن ہندوستانیوں کے تقرر کے معاملہ میں ضرورت سے زیادہ محتاط رہی اور ۱۷۳۳ء سے لے کر ۱۸۲۷ء تک کے طویل عرصہ میں صرف سولہ ہندوستانی تامل لوتھری کلیسیا میں خادم الدین بنائے گئے۔ جن میں سے ہر ایک مدت دراز تک پہلے مناد رہ چکا تھا اور ٹرنکوبار کے مدرسہ دینیات میں تعلیم حاصل کر چکا تھا۔

ٹرنکوبار کا مدرسہ دینیات مدت تک پاسبانی کے کام کے لئے پہلا مدرسہ رہا جس میں مشن بورڈنگ ہاؤس کے چیدہ لڑکے داخل کئے جاتے تھے تاکہ وہ بائبل اور دینیات کا علم حاصل کر کے گاؤں میں منادی کا کام کریں۔ سالہا سال کے بعد ان میں سے قابل ترین مناد چن کر کسی مشنری کے ساتھ کام پر لگا دیئے جاتے تھے اور پھر سات آٹھ سال کے بعد ان کا تقرر عمل میں

اٹھارہویں صدی کے اوائل میں ٹرنکوبار میں امیدواران تقرر کے لئے ایک جماعت کا اضافہ کیا گیا تاکہ تامل لوتھری کلیسیا کی ضروریات کو پورا کیا جاسکے اور ۱۹۲۶ء میں گوروکل مدرسہ دینیات مدراس میں کھولا گیا جس میں لوتھری کلیسیا نے دیگر کلیسیاؤں کے ساتھ اتحاد عمل کیا تاکہ اس کلیسیا کے خادمان دین کی تعلیم و تربیت ہو سکے۔

انیسویں صدی میں امریکن لوتھری کلیسیا نے بھی جنوبی ہند میں کام شروع کر دیا۔ راجمندری علاقہ میں خادمان دین کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا

(ب) ولیم کیری اور سرامپور

۱۸۰۵ء میں ولیم کیری نے دیسی خادمان دین کی تعلیم و تربیت کی ضرورت کی نسبت لکھا :-

میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ دیسی مسیحی پاسبانوں اور دیسی واعظوں کی اشد ضرورت ہے۔ یہ ناممکن امر ہے کہ انگریز مشنری تمام ہندوستان میں تبلیغ کر سکیں۔ ہندوستان اپنی بت پرستی کو ترک کر کے ایک واحد زندہ خدا کی معرفت نہیں پا سکتا تاوقتیکہ خدا کے فضل سے ہندوستانی خود ہی تبلیغ کا کام اختیار نہ کریں۔ میری دانست میں اس کار عظیم کو صرف دیسی مبشروں کے ذریعہ ہی پورا کیا جا سکتا ہے۔

اس خط کے ایک سال بعد اس نے ایک کالج کے قائم کرنے کا اعلان کیا۔ جس میں ایشیائی مسیحی اور دیگر نوجوان یورپین سائنس اور مشرقی ادبیات کی تعلیم حاصل کر سکیں۔ ۱۸۱۸ء میں اس کالج کی بنا ڈالی گئی تاکہ ہندوستان کے لئے دیسی مبلغین تیار کئے جا سکیں۔ اس کالج میں دینیات کے علاوہ دیگر مضامین بھی پڑھائے جاتے تھے اس میں بنگالی زبان میں تعلیم

دی جاتی تھی لیکن سنسکرت کی تعلیم پر بہت زور دیا جاتا تھا۔ انگریزی زبان بھی پڑھائی جاتی تھی۔ ۱۸۲۳ء میں اس کالج میں ایک سو طلب پڑھتے تھے اور مطالعہ کے نصاب میں یونانی، لاطینی، عبرانی، منطق ریاضی، فلسفہ اور دینیات کے مضامین شامل تھے۔ ۱۸۲۷ء میں شاہ ڈنمارک نے فرمان صادر کیا کہ یہ کالج ڈگریاں دینے کا مجاز رکھتا ہے۔ لیکن قریباً ایک صدی تک یہ حق استعمال نہ کیا گیا۔ جب یہ کالج بوجہ چند در چند مالی مشکلات میں پھنس گیا تو ۱۸۵۵ء میں بیپٹسٹ مشنری سوسائٹی نے اس کا پورا ذمہ لے لیا اور جب اس کے اگلے سال کلکتہ یونیورسٹی قائم کی گئی تو اس کالج نے اپنا الحاق اس یونیورسٹی کے ساتھ کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنگالی کی بجائے انگریزی تعلیم کا وسیلہ بن گئی۔ یہ تعلق قریباً پچیس سال تک رہا۔ لیکن اس کے بعد سوسائٹی نے یونیورسٹی کی جماعتیں بند کر دیں اور کالج کو صرف خادمان دین کی تعلیم و تربیت کے مقصد کے واسطے جاری رکھا۔ بیس سال سے زیادہ عرصہ تک یہ کالج مسیحیوں کو دینیات کی تعلیم انگریزی اور بنگالی دونوں میں دیتا رہا۔ اس کے ساتھ ہی نارمل سکول اور مسیحی لڑکوں کا بورڈنگ ہاؤس بھی تھا۔ بیسویں صدی کے شروع میں اس کی از سر نو تنظیم کی گئی ۱۹۱۰ء میں دینیات کی اعلیٰ تعلیم کا شعبہ تمام مسیحی فرقوں کے لئے قائم کیا گیا اور ۱۹۱۵ء میں پہلی دفعہ بی ڈی کی ڈگری دی گئی۔ کالج کا الحاق کلکتہ یونیورسٹی سے ۱۹۱۳ء میں پھر قائم کیا گیا اور اس میں ایف اے اور بی اے کلاس کھول دی گئی۔

(ج) بشپ کالج کلکتہ

جن میں صرف ۲۳ پروٹسٹنٹ تقرر یافتہ دیسی پاسبان تھے۔ لیکن منادوں کی تعداد ۴۹۳ تھی۔ جنوبی ہند میں چند ایک اشخاص لوتھری کلیسیا میں خادم دین مقرر کئے گئے تھے۔ ۱۸۲۴ء میں بشپ ہیبر نے مدراس اور لنکا کے تامل لوگوں کے لئے کرسچن ڈیوڈ کا تقرر کیا تھا۔ کلیسیائے انگلستان کا یہ پہلا دیسی خادم الدین تھا۔ اسی سال ۶ ماہ بعد شمالی ہند میں اسی بشپ نے عبدالمسیح کا تقرر کیا۔ مسلمان نو مریدوں میں سے یہ پہلا دیسی خادم الدین تھا۔

تناولی میں رینیس لوتھری کلیسیا کا تقرر یافتہ مشنری تھا لیکن وہ چرچ مشن کا ملازم تھا۔ اس کے زمانہ خدمت میں دس ہزار سے زیادہ لوگ مسیحیت کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے۔ ۱۸۳۴ء میں اس نے یہ تجویز پیش کی کہ لوتھری طریقہ کے مطابق ایک ایسٹ انڈین اور چھ دیسی مناد تقرر پائیں تاکہ [illegible] کا انتظام ہو سکے لیکن چرچ مشنری سوسائٹی نے کہا کہ چونکہ اب ہندوستان میں انگلیکن بشپ موجود ہے اور وہ ان کا تقرر کرنے کو تیار ہی ہے۔ لہٰذا ان کا تقرر لوتھری طریقہ کی بجائے انگریزی کلیسیا کی رسوم کے مطابق ہونا چاہئے۔ اس بحث کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگلستان کی مشنری سوسائٹیوں نے اس سوال پر غور کیا کہ آیا دیسی مسیحیوں کو زیادہ تعداد میں خادم دین کے عہدہ پر مامور کیا جائے اور تقرر سے قبل انگریزی یونیورسٹی کی ڈگری یا اس کے برابر کوئی اور ڈگری لازمی سمجھی جائے یا نہیں۔ چنانچہ بشپ کوری نے پادری [illegible] مشیام کو (جو چند سال سے ڈیکن کے عہدے پر مامور رہا) پریسٹ بنا دیا اور تین اور شخصوں کا تقرر کر دیا اور اب تمام سوسائٹیوں کا یہی طریق عمل ہو گیا کہ

قابل منادوں کی زیادہ تعداد کا تقرر کیا جائے لیکن ایسے خادمان دین کی تعلیم و تربیت کا کوئی خاص انتظام نہ کیا گیا۔ بلکہ ان کی تعلیم و تربیت وہی ہی جو انہوں نے مناد ہونے کے وقت حاصل کی تھی۔ اس ضرورت کا نتیجہ یہ ہوا کہ انیسویں صدی کے درمیان میں مختلف مقامات میں دینیات کے مدرسے کھل گئے اور ان کی تعداد بیسویں صدی کے اوائل تک بڑھتی گئی۔

(۵) مقامی مدرسوں کی افزائش

ہندوستان بھر میں صرف سرامپور اور بشپ کالج ہی ایسے ادارے تھے جن میں دینیات کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی لیکن یہ دونوں صوبہ بنگال میں تھے لہٰذا ہندوستان کے باقی صوبوں اور زبان کے دقتوں کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتے تھے۔ ۱۸۳۵ء میں سی۔ ایم۔ ایس نے ایک کالج دینیات مدراس میں کھولا جو دس سال تک کام کرتا رہا اور جنوبی ہند کے سی۔ ایم۔ ایس اضلاع کی ضروریات کو پورا کرتا رہا۔ ایس۔ پی۔ جی نے ۱۸۴۲ء میں ایک مدرسہ دینیات سوائرپورم میں کھولا اور چار سال بعد مدراس میں ایک اور اعلیٰ درجہ کا مدرسہ کھولا۔ اسی طرح دیگر سوسائٹیوں نے بھی جا بجا مختلف مقامات پر دینیات کے مدرسے کھولنے شروع کر دیئے۔ امریکن مشن نے احمد نگر اور مدورا میں [illegible]۔ کلیسیائے [illegible] میں امریکن مشن نے سہارنپور میں اور یو۔ پی مشن نے راولپنڈی میں دینیات کے مدرسے کھولے۔ بیپٹسٹ مشن نے برما اور [illegible] میں امریکہ کی ٹرچ مشن نے [illegible] میں مدرسے کھولے۔ بس تقریباً ہر سوسائٹی نے اپنے کام [illegible] کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے انیسویں صدی میں جا بجا مدرسے اور کالج قائم کر دیئے۔

شمالی ہندوستان میں ایک مدرسۂ دینیات خاص طور پر قابل ذکر ہے کیونکہ اس مدرسہ میں ایک ایسا طریق عمل استعمال کیا گیا تھا جس کی طرف آج کل ہم پھر رجوع کر رہے ہیں۔ بشپ فرنچ نے لاہور میں مدرسۂ دینیات کی بنیاد ڈالی۔ ان کا یہ خیال تھا کہ کلیسیا کی نشوونما کے لئے یہ لازم ہے کہ خادمانِ دین کو اعلیٰ پایہ کی مکمل تعلیم دی جائے جو ان کے عہدے کے شایاں ہو اور دیسی زبانیں ذریعۂ تعلیم ہوں۔ عبرانی عہد عتیق۔ یونانی سپتواجنٹ اور یونانی عہد جدید۔ مشرقی اور مغربی آبائے کلیسیا کا مطالعہ کیا جائے۔ وہ اس بات پر زور دیتا تھا کہ مسیحیت کو ملک ہند کی سرزمین میں جڑ پکڑنا لازمی ہے۔ پس طلبا کے لئے دیسی لباس پہننا لازمی کر دیا گیا۔ اس مدرسہ میں طلب ہندوستان کے اطراف و جوانب سے آئے۔ حتیٰ کہ افغان اور ایرانی بھی دور دست مقامات سے اس مدرسہ میں تعلیم کی غرض سے آ گئے۔ طلبا کی زیادہ تعداد مسلمانوں نو مریدوں کی تھی۔ لیکن ہندو اور [illegible] نو مرید بھی اس مدرسہ میں پڑھتے تھے۔ اور دیگر کلیسیاؤں کے ممبر بھی مدرسہ میں داخل ہو سکتے تھے۔

اسی قسم کا ایک مدرسہ الہ آباد میں بھی کھولا گیا۔ جس میں اردو اور فارسی کی بجائے ہندی اور سنسکرت پر زور دیا جاتا تھا۔ بشپ فرنچ کے عالی تصورات کو یہ دونوں مدرسے مکمل طور پر عالم وجود میں نہ لا سکے اگرچہ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں وہ کلیسیائی خدمت سر انجام دیتے رہے۔ حال ہی میں یہ دونوں مدرسے [illegible] کے عام مدرسۂ دینیات میں مدغم ہو گئے ہیں۔

(ز) تعلیم و تربیت کا اتشاعی زمانہ

سطورِ بالا سے ظاہر ہے کہ انیسویں صدی کے آخر میں کلیسیا نے ہندوستان میں اچھے خاصے مدرسے کھولے تھے۔ زمانۂ غدر کے بعد کلیسیا حیرت انگیز ترقی کر گئی تھی۔ ۱۸۸۱ء میں جب ہندوستان کی پہلی مردم شماری کی گئی مسیحیوں کی تعداد ساڑھے بارہ لاکھ تھی۔ ۱۹۱۱ء میں اس سے تین گنا زیادہ ہو گئی۔ اس بڑھتی ہوئی جماعت کی پاسبانی کے لئے زیادہ تر مناووں سے کام لیا گیا جو نیم خواندہ تھے۔ پس مناووں کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دینا از حد ضروری ہو گیا۔ دینیات کے مدرسوں میں خصوصاً مناووں کی تعلیم اور تقرر کے امیدواروں کی جماعتیں پائی جاتی تھیں کیونکہ مناووں کی تعداد زیادہ ہوتی تھی لہٰذا تقرر کے امیدواروں کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ یہی ان مدرسوں کی کمزوری کا سبب بھی تھا۔ صرف معدودے چند اعلیٰ تعلیم یافتہ اشخاص کا تقرر کیا گیا لیکن تقرر یافتہ لوگوں کی زیادہ تعداد مناووں کے گروہ ہی میں سے لی گئی۔ کلیسیا اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ کو اس اعلیٰ ترین خدمت کے گرویدہ کرنے میں قاصر رہی۔ اور اگر کسی مشنری سوسائٹی کو ایسے اشخاص مل بھی گئے تو ان کو پاسبانی خدمت کی بجائے دوسرے کاموں پر لگا دیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیسویں صدی کے شروع میں ہندوستانی کلیسیا کے پاس دینیات کے مدرسے موجود تھے تاہم قابل دیسی مسیحیوں کو اس خدمت کے لئے پیدا کرنے اور ان کو تعلیم و تربیت دینے کے مسئلے جوں کے توں ویسے ہی رہے۔

(ح) سرامپور منشور کا از سر نو تازہ ہونا اور مدرسۂ دینیات

مسیحی کالجوں کا فروغ :-

بیسویں صدی کے شروع میں مختلف مشنری سوسائٹیوں نے دینیات کی اعلیٰ تعلیم کی طرف توجہ دینی شروع کی۔ جب گورنمنٹ ہند نے ہندوستانی یونیورسٹیوں کے نظام پر غور کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا تو اس نے دینیات کی اعلیٰ تعلیم کی بابت بھی استفسارات کئے۔ لیکن اس نے یہ فیصلہ دیا کہ ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں مسیحی دینیات کی اعلیٰ تعلیم کے لئے کوئی جگہ نہیں ہونی چاہئے۔ ۱۹۰۲ء میں مشنری کانفرنس نے مدراس کے اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی جس میں یہ سفارش کی گئی تھی کہ سرامپور کالج کی کونسل کے ساتھ مل کر یہ کوشش کی جائے کہ اس کا منشور دوبارہ نافذ کیا جائے تاکہ تمام غیر رومی مسیحی فرقے اس میں تعلیم پا سکیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۱۵ء میں پہلی بار بی۔ ڈی کی ڈگری تین طلبہ کو دی گئی جن میں سے ایک ٹراونکور کی آرتھوڈوکس شامی کلیسیا کا رکن تھا۔

۱۹۱۰ء دینیات کی اعلیٰ تعلیم کی تاریخ میں ایک نمایاں سال ہے۔ اس سال ۲۰ جولائی میں جنوبی ہند اور لنکا کے لئے شہر بنگلور میں یونائیٹڈ تھیولوجیکل کالج قائم کیا گیا اور ماہ اکتوبر میں سرامپور میں اعلیٰ دینیات کی تعلیم کا شعبہ تمام مسیحی فرقوں کے لئے کھولا گیا۔ اسی سال بشپ کالج کلکتہ کی از سر نو تشکیل کی گئی اور اس کو دینیات کا کالج بنا دیا گیا۔ ۱۹۱۸ء میں بنگلور کالج کا الحاق اور ۱۹۲۱ء میں بشپ کالج کا الحاق سرامپور کے ساتھ ہو گیا تاکہ ان کے طلباء بھی بی۔ ڈی کی ڈگری حاصل کر سکیں۔ ۱۹۲۲ء میں میتھوڈسٹ

مشن نے بریلی میں کالج الٰہیات کھولا اور اگلے سال اس کو جبلپور میں منتقل کر دیا۔ لیکن ۱۹۳۰ء میں اس کا الحاق بھی سرامپور کے ساتھ ہو گیا۔ اب یہ کالج لیونارڈ تھیولوجیکل کالج کے نام سے موسوم ہے۔

سرامپور کالج نے مختلف صوبوں کے مدرسوں کو مضبوط کرنے کی خاطر دینیات کی ایل۔ ٹی۔ ایچ کی سند جاری کر دی۔ پس ان مدرسوں کی ایک بڑی تعداد نے اس سند کی خاطر اس ادارے سے الحاق پیدا کر لیا۔ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۴۵ء تک اس کالج نے ۳۳۳ طلبا کو بی ڈی کی ڈگری اور ۲۱۰ کو ایل ٹی ایچ کی سند عطا کی ہے۔ پس گزشتہ تیس سال میں بہت لوگوں نے سرامپور سے فائدہ اٹھایا ہے اور یوں اس کالج نے کلیسیا کو مستحکم اور ترقی کرنے میں مدد دی ہے۔

(۵) نتیجہ

مضمون بالا میں دینی خدمت کی تعلیم و تربیت پر ایک سطحی نگاہ ڈالی گئی ہے اور محض ایک تاریخی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ دور حاضر میں اس بات کی اشد ضرورت محسوس کی گئی ہے کہ دیسی مسیحیوں کی تعلیم و تربیت ہر قسم کے کام کے لئے کی جائے۔ مثلاً اشاعتی کام، پاسبانی کام وغیرہ۔ دیسی مسیحی انجیل کے ازلی پیغام کو ہندوستانی خیالات و تصورات کے قالب میں ڈھال سکتے ہیں اور مسیحی ایمان کی قدیم اور مستند روایات کو ہندوستانی جامہ پہنا سکتے ہیں۔ صرف وہی ایک دن ہندوستانی کلیسیا کے لاتعداد پیچیدہ مسائل کو ناقص تدبیر و عقل سے حل کر سکتے ہیں اور تمام انسانی ضروریات کو مسیحی پیغام کے نور کی روشنی میں پورا کر سکتے ہیں۔

باب سوم

کلیسیا کی ضروریات

(۱) کلیسیا اور خدمتگذاری

اس رپورٹ میں یہ بدیہی بات فرض کر لی گئی ہے کہ کلیسیا کی نشو و نما اور قوت و طاقت کے لئے یہ لازمی بات ہے کہ خادمانِ دین کی جماعت کلام اللہ کی تعلیم و تلقین اور ساکرامنٹوں کی ادائیگی کے لئے بطور ایک علیحدہ گروہ کے قائم ہو۔ ہمیں اس بات کا علم ہے کہ بعض لوگ اس کے خلاف ہیں اور وہ تمام مومنین کی کہانت کے قائل ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ خادمانِ دین کی جماعت کا تنخواہ پا کر کام کرنا ہندوستان کی مذہبی روایات کے خلاف ہے اور اس بنا پر اور بعض اوقات اقتصادی اور مالی مشکلات کی بنا پر اس بات کی مخالفت کی جاتی ہے اور یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ کلیسیاؤں کی پاسبانی کا کام رضاکارانہ طور پر اور بشارتی کام سادھوؤں کے ذریعہ کیا جائے۔

ان تمام باتوں کے باوجود ہمیں یقین ہے کہ الٰہی منشا یہی ہے کہ کلیسیائے ہندوستان میں ایک باقاعدہ اور مستقل گروہ قائم ہو اور

اس گروہ کی تعلیم و تربیت اور نان و نفقہ اور ضروریاتِ زندگی کو بہم پہنچانا کلیسیا کا اولین فرض ہے۔ یہ خیال انجیل جلیل کی تعلیم اور کلیسیائی تاریخ اور تجربہ کے مطابق ہے اور دیگر ممالک کی قریباً ہر کلیسیا کے رویہ اور دستور کے موافق ہے۔ انجیل جلیل سے ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں دو قسم کے خادمانِ دین موجود تھے۔ خداوند کے شاگرد بعض اوقات گاؤں گاؤں اور شہر شہر کا دورہ کرتے اور انجیل کی منادی کرتے تھے (متی ۱۰ باب … مرقس ۶ باب … وغیرہ) جس سے ظاہر ہے کہ خداوند نے سادھوانہ قسم کی خدمتگذاری کی ضرورت بھی محسوس کی تھی۔ لیکن عہدِ جدید سے یہ بھی ظاہر ہے کہ خداوند نے اور آپ کے رسولوں نے اس قسم کی خدمتگذاری کو کبھی ایک عام معیار کے طور پر قائم نہ کیا اور نہ یہ فرمایا کہ خادمانِ دین صرف اسی وضع کے ہوں۔ اس کے برعکس کتاب اعمال الرسل اور پاسبانی خطوط سے [illegible] ہے کہ خادمانِ دین کا گروہ ایک مستقل جماعت تھی جس کا کام کلیسیاؤں کی پاسبانی اور کلام اللہ کی تعلیم دینا تھا (اعمال ۲۰ باب … ۱-تمتھیس ۳ باب … ۲-تمتھیس … ططس ۱ باب … وغیرہ) پس عہدِ جدید سے معلوم ہوتا ہے کہ جب پہلے رسولوں کی منادی کی وجہ سے جا بجا کلیسیائیں معرضِ وجود میں آگئیں تو ان کی پاسبانی اور رسولی مساعی کی توسیع اور تحفظ کی خاطر خادمانِ دین کا ایک باقاعدہ اور الگ گروہ بطور ایک مستقل جماعت کے قائم ہو گیا۔ گذشتہ صدیوں کا تجربہ ثابت کرتا ہے کہ اس مستقل گروہ کے بغیر کلیسیائی زندگی نیم جان ہی رہتی ہے اور کلیسیائیں طاقتور اور قوی نہیں ہوتیں اور نہ ان کی توسیع اور افزائش ہوتی ہے۔ ہندوستان کے حالات کو مدِنظر رکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ کلیسیا کی زندگی کے لئے اس گروہ کا وجود

نہ صرف قرینِ مصلحت ہے بلکہ ایک ضروری لازمی اور لابدی امر ہے۔

(۲) کلیسیا کی افزائش

ہندوستان کے متعدد حصوں میں کلیسیا نہ صرف تعداد میں بڑھ رہی ہے بلکہ ذمہ داری کے احساس میں بھی ترقی کر رہی ہے اور اب یہ اصول تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مسیحی کام کو سرانجام دینا کلیسیا کا فرض ہے تاکہ جو کام اب تک مشنری سوسائٹیاں کرتی رہی ہیں وہ کلیسیا کی زندگی کا ایک اہم جزو ہو جائے۔

ہندوستانی کلیسیا کے موجودہ اعداد و شمار کو معلوم کرنا نہایت مشکل امر ہے۔ سنہ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق مسیحیوں کی تعداد ۶۰۱۹۸۲۸ تھی جس میں سے ۳۰۶۲۰۷۰ پروٹسٹنٹ دیسی مسیحی تھے۔ سنہ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق مسیحیوں کی تعداد ۳۲۷۰۴۱۴ ہے لیکن یہ اعداد قابلِ اعتبار نہیں کیونکہ سنہ ۱۹۳۱ء میں ان کی تعداد چھتر لاکھ تھی اور یہ اغلب ہے کہ سنہ ۱۹۴۱ء میں یہ تعداد اسّی لاکھ کے لگ بھگ ہو۔ اس کی نصف تعداد غیر رومی کلیسیاؤں کے شرکا کی ہے۔ جن کی اکثریت دیہات میں رہتی ہے اور دیہاتی مسیحیوں کی تعداد شہری مسیحیوں سے چار گنا زیادہ ہے۔ جو کلیسیا نیشنل کرسچن کونسل سے متعلق ہیں ان کے ممبر کی شمار میں قریباً چالیس لاکھ ہیں۔ ان کلیسیاؤں کا نظام ایک دوسرے سے بہت مختلف ہے اور ان کے مسیحی افراد ترقی کی مختلف منزلوں میں ہیں۔ بعض منزلِ مسیح میں بچے ہیں اور بعض بالغ اور جوان ہیں۔ بعض تعلیم کے لحاظ سے ابھی مبتدی ہیں اور بعض اعلیٰ تعلیم پا کر

انتہائی درجہ حاصل کر چکے ہیں۔

عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ابتدائی منزل کے دیہاتی مسیحیوں کے لئے تعلیم یافتہ خادمانِ دین کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہ ایک زبردست مغالطہ ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ خدا نے ان پڑھ اور نیم خواندہ لوگوں کی کوششوں پر برکت بخشی ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پسماندہ مسیحیوں کے لئے نیم خواندہ اور نیم تربیت یافتہ اصحاب کی خدمت کافی ہے۔ اس اصول نے ہندوستان کے بہت سے حصوں کی کلیسیاؤں کی زندگی کو تباہ اور برباد کر دیا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ خادمانِ دین کا وجود مالی مشکلات میں اضافہ کرتا ہے اور زیادہ تر یہی وجہ ہے کہ نیم خواندہ لوگوں کا تقرر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ تعلیم یافتہ گروہ کے خلاف یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اول تو ان کی طرزِ رہائش اعلیٰ پیمانہ کی ہوتی ہے جس میں اور دیہاتیوں کی طرزِ زندگی میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے اور دوسرا ان کی تعلیم کی وجہ سے ان کے خیالات اور ان کا رنگ ڈھنگ دیہاتیوں کے تصورِ زندگی سے بہت مختلف ہوتا ہے اور تیسرا وہ دیسی زبان میں اپنے خیالات کو ادا نہیں کر سکتے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ ان اعتراضات کا اصلی سبب عام تعلیم کے نظام کا نقص ہوتا ہے اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ دیہات کے مدرسے اب تک ان نقائص پر غالب آنے میں مدد نہیں دے سکے۔ لیکن ان مدرسوں کی مشکلات میں کلیسیاؤں اور مشنوں کے رویہ نے بھی اضافہ کر دیا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بہترین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ خادمانِ دین کو ان شہری کلیسیاؤں میں بھیجتی ہیں جو ترقی کر چکی ہیں۔ لیکن ان کو یہ قیاس کر سادہ دیہاتی کلیسیاؤں کی ضروریات کو محدود لیاقت والے اور نیم تعلیم یافتہ لوگ

پورا کر سکتے ہیں بالکل غلط ہے۔ بلکہ غلط ہونے کے علاوہ خطرناک بھی ہے۔
حق تو یہ ہے کہ دیہاتی کلیساؤں کی ضروریات اس قدر ہیں اور ان کے مسائل ایسے
پیچیدہ ہیں اور ان میں کام کرنے کے مواقع ایسے بیشمار ہیں کہ کوئی ایک شخص
خواہ وہ کیسا ہی تعلیم یافتہ کیوں نہ ہو دیہات کے پاسبانی اور بشارتی فرائض
کو کما حقہٗ سرانجام دینے کے لئے ناکافی ہے۔ جب تک کلیسیا اس واضح حقیقت
کو قبول نہ کرے گی ہندوستان کے دیہات کی روزافزوں کلیسیا کی ضروریات
ہرگز پوری نہ ہو سکیں گی۔

(۳) لائق خادمانِ دین کی ضرورت

سنہ ۱۹۳۹ء میں تعلیم دینیات کی آل انڈیا کانفرنس کا اجلاس ناگپور
میں ہوا جس میں اس سوال پر بحث کی گئی کہ موزوں خادمانِ دین کیسے
ہوا کرتے ہیں۔ اس میں یہ فیصلہ کیا گیا (اور نیشنل کرسچن کونسل
کے اجلاس عام نے بھی قبول کیا) کہ
"ہر خادمِ دین کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی جماعت کے کم از کم عشائے ربانی
لینے والے ممبروں سے شخصی طور پر واقف ہو اور اپنے حلقہ کی ہر جماعت
میں اتنی بار عشائے ربانی دے جو اس کی کلیسیا کے دستور کے موافق ہے۔
لازم ہے کہ وہ اپنے حلقہ اور اس کے لوگوں کو جانتا ہو اور بشارتی کام میں
اپنی کلیسیا کی پیشوائی کر سکتا ہو۔ مسیحی حقوق میں کلیسیا کو تعلیم و تربیت دے
سکتا ہو اور ان کی روحانی زندگی کی ضروریات کو پورا کر سکتا ہو۔"
ان فرائض کو ادا کرنے میں اس کو تربیت یافتہ مددگاروں کی ضرورت
پڑے گی۔ پس ایسے کارندوں کی ضرورت ہے جو تنخواہ دار ہوں یا وقت کا

کچھ حصہ اس بات کے لئے وقف کریں۔
کلیسیا کے بشارتی کام کے لئے اس بات کی ضرورت
ہے کہ ایسے خادمانِ دین مقرر کئے جائیں۔ جو دوسروں کے
کام کی نگرانی کر سکیں۔ اس کام کے لئے لازم ہے کہ ایسے
اشخاص قوتِ اختراع رکھتے ہوں تاکہ وہ پیشوائی کرنے میں پیش
قدمی کر سکیں۔
ہمارا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ایک ہزار یا اس سے زیادہ
مسیحی خاندانوں کے لئے ایک خادم الدین مقرر کیا جائے۔
اس نصب العین کے مطابق ہندوستان میں کم از کم چار ہزار
تقرر یافتہ خادمانِ دین ہونے چاہئیں لیکن سنہ ۱۹۳۸ء میں ۲۲۴۶ مشنری
اور ۱۰۴۴ دیسی خادمانِ دین تھے یعنی کل غیر رومی کلیساؤں میں ۳۲۹۰
تقرر یافتہ خادمانِ دین کام کرتے تھے۔ غالباً مشنریوں کی آدھی تعداد
انتظامیہ اور اداروں کے کام میں مشغول ہے۔ دیسی خادمانِ
دین کی خاصی تعداد بھی اداروں کے متعلق کام کرتی ہے۔ اور ان کے
سپرد نگرانی کا کام بھی ہے۔ پس پاسبانی کام کے لئے خادمانِ
دین کی تعداد کفایت نہیں کرتی۔ بلکہ پہلے سے بھی کم ہو گئی ہے
ہر حال جہاں کم از کم چار ہزار خادمانِ دین ہونے چاہئیں، وہاں
تین ہزار سے بھی کم کام کر رہے ہیں اور ہندوستان کے بعض
حصوں میں مسیحی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے یہ نسبت
کہیں زیادہ ہے کہیں کم ہے اور کہیں بس کفایت کرتی ہے۔
ہمیں یہ بات بھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ مختلف

طرح اپنے مذہبی بلاوے کو بر سرِ تکمیل کر سکتے ہیں اور اس سے ہم کو یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ ہندوستان کو کس قسم کے خادمانِ دین کی ضرورت ہے۔

(الف) عام دنیوی تعلیم کے معیار کی بلندی

یہ اغلب ہے کہ نزدیک کے مستقبل میں ہندوستان کی تعلیم کا تمام نظام بدل جائے گا۔ اور تمام ہندوستان میں تعلیم کی ہر ایک منزل کا معیار بلند ہو جائے گا۔ اس کا اثر مسیحی جماعت پر بھی قدرتی طور پر پڑے گا۔ پس اس کا تعلق خادمانِ دین کی تعلیم و تربیت کے ساتھ بہت گہرا ہے۔ کیونکہ جب عوام الناس کا اپنا تعلیمی معیار بلند ہوگا تو وہ تعلیم یافتہ خادمانِ دین طلب کریں گے جو لوگ تعلیم یافتہ خادمانِ دین کے خلاف ہیں وہ اس پہلو کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور فرض کر لیتے ہیں کہ ہندوستان اور ہندوستانی کلیسیا کے تعلیمی معیار میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہوگا اور یہ نہیں جانتے کہ ہندوستان میں تعلیمی انقلاب رونما ہونے والا ہے۔ گورنمنٹ نے اس غرض کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی تھی۔ جس کی رپورٹ شائع ہو گئی ہے۔ اس رپورٹ کو عموماً "سارجنٹ رپورٹ" کہتے ہیں اس کمیٹی کا نصب العین یہ ہے کہ ہندوستان کا تعلیمی معیار انگلستان اور دیگر مغربی ممالک کے معیار کے برابر ہو جائے۔

اس رپورٹ کے مطابق ہندوستان کا بچہ بچہ [illegible]

اعلیٰ ترین قابلیت حاصل کر سکے۔ چھ برس سے لیکر چودہ برس کے لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے سکول جانا لازمی ہوگا جو بچے ہائی سکولوں یونیورسٹیوں اور ٹیکنیکل تعلیم حاصل کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں ان کی تعلیم کا انتظام کیا جائے گا خواہ وہ نادار ہی ہوں۔ بالغوں کی تعلیم اور کند ذہن والے لوگوں کی تعلیم کا خاص انتظام ہوگا۔ استادوں کی تعلیم و تربیت کے لئے جلد نئے کالج کھولے جائیں گے یہ لازم ہے کہ مسیحی کلیسیا ان باتوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر اپنے خادمانِ دین کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرے اور اس کے معیار کو بلند کرے تاکہ وہ مستقبل حالات کے ساتھ قدم بہ قدم چل سکے۔

دورِ حاضرہ میں تعلیم انگریزی زبان میں دی جاتی ہے لیکن نزدیک کے مستقبل میں یہ بات نہ رہے گی اور تعلیم کا ذریعہ دیسی زبانیں ہو جائیں گی۔ سارجنٹ رپورٹ کی بھی یہی تجویز ہے کہ انگریزی بطور ایک لازمی زبان کے ہر سکول میں سکھلائی جائے لیکن تعلیم کا ذریعہ دیسی زبانیں ہی ہوں۔ اس کا اثر خادمانِ دین کی تعلیم و تربیت پر ضرور پڑے گا لیکن اس مضمون پر بھی آئندہ باب میں بحث کی جائے گی۔

(ب) صنعتی ترقی کی تیز رفتاری

مرکزی اور صوبائی گورنمنٹ صنعتی اور تجارتی ترقی اور توسیع کی تجاویز پر غور کر رہی ہیں۔ ہندوستانی سرمایہ داروں کی تجاویز گورنمنٹ کی تجاویز سے کہیں آگے بڑھتی جاتی ہیں۔ موجودہ جنگ کے بعد جب قومی گورنمنٹ قائم ہو جائے گی تو ہندوستان میں صنعتی انقلاب پیدا ہو

جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر جگہ کارخانے کھل جائیں گے۔ اور نوجوانوں کو روزگار حاصل کرنے کے زیادہ مواقع ہاتھ آئیں گے۔ پس ان کی طرزِ رہائش اور خیالات اور زندگی کے تصورات میں تبدیلی واقع ہو جائے گی۔ مسیحی کلیسیا کے نوجوان بھی اس صنعتی انقلاب سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہیں گے۔ اور اپنی دقیانوسی طریقِ زندگی کو خیرباد کہہ کر نئی انقلابی زندگی میں حصہ دار ہوں گے۔ مسیحی کلیسیا کے لئے یہ از حد ضروری ہے کہ وہ ان نوجوانوں کی ایسے انقلابی زمانہ میں خبرگیری کر سکے۔ لیکن وہ اس فرض کو ایسے دیسی خادمانِ دین کے ذریعہ ہی کر سکتی ہے جو انجیلِ جلیل کی روشنی میں ان حالات کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کر کے اپنے لوگوں کی ضروریات کو کماحقہٗ پورا کر دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

ج) سیاسی تبدیلیاں

یہ امر یقینی ہے کہ نزدیک کے مستقبل میں ہندوستان میں ایک قومی حکومت قائم ہو جائے گی اور یہ ظاہر ہے کہ اس کا گہرا اثر ہندوستانی کلیسیا کے کام اور اس کے وجود پر پڑے گا۔ گو وثوق سے تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ کلیسیا کے ساتھ قومی حکومت کا رویہ دوستانہ ہوگا یا مخالفانہ ہوگا۔ غالباً یہ رویہ نہ تو بہت دوستانہ ہوگا اور نہ ہی سخت مخالفانہ ہوگا۔ لیکن یہ یقینی امر ہے کہ وہ کلیتہً ساز گار نہیں ہوگا اور کلیسیا کو راس نہیں آئے گا۔ کلیسیا کو نقصان بھی پہنچیں گے اور فائدے بھی پہنچیں گے۔ مثلاً ایک فائدہ یہ ہوگا کہ مسیحیت کو بدیشی مذہب نہیں کہا جائے گا۔ اور کلیسیا انگریزی ملوکیت کی آلۂ کار متصور نہ ہوگی۔ کلیسیا یہ ثابت کر سکے گی

کہ وہ بھی دیگر ہندوستانی ملتوں کی طرح ایک قومی جماعت ہے اور پردیسیوں کے قبضۂ قدرت میں نہیں ہے۔

جہاں تک کلیسیا کے اندرونی اور خانگی مسائل کا تعلق ہے نزدیک کے مستقبل میں ان کی حالت میں غالباً کوئی نمایاں تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔ ہاں وہ کشمکش جو سیاسی وجوہ کے باعث کلیسیا کے اندر موجود ہے کم ہوتی چلی جائے گی۔ کیونکہ سوراجیہ کی حالت میں کلیسیا اپنے مسائل اور مشکلات کو علیحدہ زاویۂ نگاہ سے دیکھ سکے گی۔

مندرجہ بالا فائدے کلیسیا کو ضرور پہنچیں گے اور اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہ فائدے کوئی معمولی قسم کے نہیں ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ کلیسیا کو نقصان بھی ہوگا۔ ہندوستان کی حکومت میں غیر مسیحی عناصر زیادہ ہوں گے اور وہ کلیسیا کے تبشیری جوش اور تبدیلیٔ مذہب کو ترچھی نگاہوں ہی سے دیکھیں گے۔ ہندو تبدیلیٔ مذہب کے سخت مخالف ہیں اور وہ کھلے بندوں کلیسیا کے تبشیری کام کی مذمت کرتے ہیں۔ سیاسی خیالات ان کی مخالفت کے حامی ہیں۔ تبدیلیٔ مذہب کا اثر فرقہ وارانہ نمائندگی پر پڑتا ہے اور چونکہ آئندہ سیاسی پروگرام میں اقلیتوں کے تحفظ کا سوال ضرور شامل ہوگا لہٰذا ہمیں موجودہ مخالفت کے کم ہونے کی امید نہیں کرنی چاہئے۔ اس کے برعکس اس بات کا امکان ہے کہ تبدیلیٔ مذہب کی راہ میں قانونی رکاوٹیں ڈالی جائیں گی۔ چنانچہ بعض ہندوستانی ریاستوں میں اس قسم کے قانون جاری کر دیئے گئے ہیں۔ پس ہندوستانی کلیسیا کو مذہبی آزادی کے لئے سخت جد و جہد کرنی پڑے گی۔ کلیسیا کو خدا پر بھروسہ رکھ کر ان آئندہ ایام کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ لیکن اس کے

لئے اس گروہ کے پیشواؤں کی از حد ضرورت ہے۔ اور اس کا دار و مدار زیادہ
تر خادمانِ دین کی جماعت پر اور ان کی تعلیم و تربیت پر ہوگا جس کے ذریعہ
کلیسیا اس قسم کے پیچیدہ حالات کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکے گی۔ پس
کلیسیا کی آئندہ قوت کا انحصار اسی بات پر ہے کہ ابھی سے ایک روشن خیال
و تعلیم یافتہ مخصوص شدہ خادمانِ دین کے گروہ کی بنیاد قائم کر دیجئے

(د) عقلی اور ذہنی پس منظر

ہندوستانی کلیسیا کی ایک بڑی تعداد دیہات میں رہتی ہے۔ اور
مستقبل میں بھی غالباً یہی حال رہے گا۔ دیہاتی مسیحیوں کی ایک بڑی
تعداد ناخواندہ ہے اگرچہ ہمیں امید کرنی چاہیئے کہ ناخواندگی ہر سال
کم ہوتی جائے گی۔ پس لازم ہے کہ کلیسیا کے خادمانِ دین ان حالات کو
مدنظر رکھیں۔ خدا نہ کرے کہ وہ دن آئے جب خادمانِ دین فقط شہری
کلیسیاؤں ہی کی خدمت کریں اور دیہاتی کلیسیاؤں کی طرف سے
غافل ہو جائیں۔ اگر خادمانِ دین کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا یہ نتیجہ ہو کہ
دیہات کی کلیسیاؤں کے مسائل وغیرہ کی طرف سے بے اعتنائی اور
بے پرواہی ہوتی جائے تو اس تعلیم کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ لیکن یہ ایک حقیقت
ہے کہ ہندوستان کی کلیسیا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو شہروں
کی صحبتوں پر لات مار کر گاؤں کی خاموش خدمت کو ترجیح دیتے ہیں ایسے
لوگ اپنے کئے پر کبھی نہیں پچھتاتے۔ کلیسیا کا یہ کام ہے کہ وہ اپنے خادمانِ
دین کی ایسی تعلیم و تربیت کرے کہ دیہاتی اور شہری کلیسیاؤں کی ضروریات
کما حقہ طور پر پوری ہوں۔ یعنی اور شہری خادم الدین اور دیہاتی خادم

الدین کی مصنوعی امتیاز۔ کلیسیاؤں اور خادموں کے ذہنوں سے مٹ جائے
اعلیٰ تربیت یافتہ خادم الدین کے لئے لازم ہے کہ وہ شہری اور دیہاتی
دونوں کلیسیاؤں کی خدمت بخوبی انجام دے سکے۔

اگرچہ کلیسیا کی پہلی اور مقدم ذمہ داری یہ ہے کہ دیہات کے لئے
موزوں خادمانِ دین کا ایک گروہ قائم کرے تاہم نہ دیہاتی کلیسیائیں اور نہ دیہاتی
خادمانِ دین دیہاتی خلا میں زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ دونوں کے لئے لازم
ہے کہ ان خیالات و جذبات کو ملحوظ خاطر رکھیں جو کسی جماعت کی بلکہ عامہ
کو یا افراد کے اعمال کو ڈھال لیتے ہیں۔ ان کو یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے
کہ انجیل جلیل کا پیغام ہر طبقہ کے لوگوں کے لئے ہے خواہ وہ اونچی ذات
کے ہوں یا نیچی ذات کے۔ خواہ وہ دولتمند ہوں یا مفلس۔ پس خادمانِ
دین کی جماعت کے لئے لازم ہے کہ وہ نہ صرف دیہاتی کلیسیاؤں میں
خدمت کر سکیں بلکہ وہ غیر مسیحی مذاہب کے سامنے انجیل کے پیغام کو
معقولی اور منقولی دلائل سے پیش کر سکیں۔ اس کے علاوہ یہ لازم
ہے کہ وہ ان غیر مذہبی اور غیر روحانی خیالات و اقوال سے بھی بخوبی واقف
ہوں۔ جو تعلیم یافتہ طبقہ کو روزانہ متاثر کر رہے ہیں۔ یہاں ہم ان چند
میلانات اور رجحانات کا ذکر کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں جن کے درمیان
نزدیک کے مستقبل میں کلیسیا کو کام کرنا ہوگا۔

اوّل۔ غیر مذہبی اور غیر روحانی خیالات

فی زمانہ ہندو مذہب یا اسلام یا بدھ مت وغیرہ مسیحیت کے اس
قدر مخالف نہیں جس قدر غیر روحانی طریقۂ زندگی اور غیر مذہبی فلسفہ

زندگی ہے۔ اور یہ ایک عالمگیر مرض ہے۔ چنانچہ ۱۹۲۸ء میں یروشلم
کی مشنری کانفرنس میں قاہرہ کے ڈاکٹر واٹسن نے دوران تقریر میں کہا
تھا کہ دورِ حاضر کے مسلمانوں کا اسلامی کلمہ کی بجائے اس بات پر ایمان
ہے کہ کوئی خدا نہیں سوائے روشنی کے اور اس کا رسول زر ہے۔ ڈاکٹر
میکنزی نے کہا کہ مغربی ہند کے طلبا نے قدیم عقائد کو ترک کر دیا ہے۔
اور ان کے ذہنوں میں یہ جگہ خالی ہے۔ دنیا کے ہر کونے سے یہی آواز آتی ہے
کہ غیر مذہبی اور غیر روحانی خیالات لوگوں کے دل و دماغ پر مسلط ہو گئے
ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس عالمگیر جنگ نے یہ ثابت کر دیا ہے
کہ انسان مجرد علم کے ذریعہ خود بخود ترقی کی منازل طے کر کے کاملیت کو
نہیں پہنچ سکتا۔ تاہم ہندوستان میں غیر مذہبی خیالات کا دور دورہ ہے
تعلیم یافتہ طبقہ مادی اور صنعتی ذرائع پر اور کارل مارکس کے روسی نظریہ
پر اور سیاسی سوراجیہ پر اپنی امیدیں لگائے بیٹھا ہے اور خیال کرتا ہے
کہ ان کے وسیلہ آزاد ہندوستان سماجی اور اقتصادی ترقی کے اوج
کمال پر پہنچ جائے گا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ موجودہ پرچار کرنے والے
اصحاب فہم و فکر ان مشکلات سے واقف نہیں جو اس نصب العین کی راہ
میں حائل ہیں۔ لیکن عوام الناس کو یقین ہے کہ ایک قومی گورنمنٹ مادی
ذرائع سے ہمارے ملک کی کایا پلٹ سکتی ہے۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ ایک
غیر مذہبی اور غیر روحانی سطحی مادی ترقی کے تارک کر دیتے اس نظام تعلیم کے
اخلاقی بوجھ کو نہیں اٹھا سکتے۔ ہندوستان ایک مذہبی ملک مشہور ہوتا
تھا جس کے باشندے آئندہ جہان اور عالم آخرت کی باتوں میں ہی مشغول
رہتے تھے۔ لیکن اب صورت حال دگرگوں ہو گئی ہے اور ہمارے ملک

کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے طبقہ کا یہ ایمان ہے کہ انسان کی فوز و نجات
کا مرکز ہے اس لئے عالم آخرت کی بجائے موجودہ مجموعی انسانی زندگی کے
کمال کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کا یہ یقین ہے کہ انسانی
فلاح اور بہبودی مغربی سائنس اور فلسفہ زندگی کے وسیلے حاصل ہو سکتی
ہے اور اگرچہ یہ خیالات اب مغربی ممالک میں متروک سمجھے جا رہے ہیں
تاہم ہندوستان کا تعلیم یافتہ طبقہ ابھی تک انہی خیالات میں مست ہے۔
ہندوستانی کلیسیا کا یہ کام ہے کہ وہ اپنے اہل وطن پر یہ ثابت کر
دے کہ یہ طریقہ عمل غلط ہے اور کہ انسان کو خدائے لایزال کی اشد ضرورت
ہے اور انسان کا اور خدا کا باہمی میل ملاپ ہو سکتا ہے اور رفاقت
الٰہی کو حاصل کر کے اس بھید کو بخوبی جان سکتا ہے جو سماجی ترقی اور حقیقی
بہبودی کی اصل کنجی ہے۔

دوم۔ قائم مقام اخلاقیات

ہندوستان کے ہندو مسیحیت کی مغربیت کی وجہ سے اس سے بیزار
ہیں۔ اور مسلمان مسیح کی ابنیت کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کرتے۔ لیکن
ان سے بھی زیادہ جو چیز ہندوؤں کو مسیح کو قبول کرنے سے باز رکھتی ہے وہ
عقلی پرستی یا مذہبی رکاوٹ نہیں بلکہ وہ سماجی رسوم ہیں جو ہندوستان
کی پشت و پناہ ہیں یعنی وہ فضا ہے۔ جس میں عام طور پر ہندو اپنی زندگی
کا سانس لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مذہبی عقائد کو خیرباد کہہ دینے کے
باوجود یہ رسوم ہندوؤں کے اخلاقی محافظ ہیں۔ کیونکہ یہ ان کے رگ و ریشہ
میں سرایت کر گئی ہوئی ہیں۔ یہی حال دورِ حاضر کے مسلمانوں کا ہے۔

ہندوستانیوں کی ایک بڑی تعداد اپنے مذہب اور عقائد کو ترک کر چکی ہے اور ان کے عوض رسوم اور دیگر دنیوی حالات کی پابندیاں مذہب اور اخلاقیات کے قائم مقام کے فرائض ادا کر رہی ہیں۔ ہندوستانی نوجوانوں کے پیش نظر اب عالم آخرت نہیں بلکہ ان کا نصب العین اسی دنیا کی ترقی ہے اور ان کی روزانہ زندگی میں یہی نصب العین کام کرتا ہے جو ان کے اعمال کا اصلی محرک ہے۔ سماجی ترقی اور مخصوص ترقی ان کی مطمح نظر ہے۔ ایسے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہے جو ہر ایک بات کو صرف اسی ایک معیار سے پرکھتے ہیں کہ آیا فلاں بات کے ذریعہ دنیاوی [illegible] اور علم و فن کی ترقی ہوگی یا نہیں اور یوں ان کی اخلاقیات کی بنیاد مادی ہے اب اس طریقہ کار سے وہ اخلاقی ترقی کو اپنی طرز زندگی کی ترقی کے مترادف قرار دیتے ہیں۔ سرمایہ دار اور اشتراکیت پسند لوگ بھی اس مفروضہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہر شے کی پڑتال اسی ایک معیار سے کی جاتی ہے کہ آیا وہ مادی دولت اور بہبودی کو ترقی دے گی یا نہیں۔

ہندوستانی نوجوان مغرب کے بعض سیاسی خیالات کو چھان بین کئے بغیر تسلیم کر لیتے ہیں۔ مثلاً جمہوریت کو ایک [illegible] اخلاقی اصول کا پایہ دے دیا گیا ہے اور یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ اکثریت کی رائے ہمیشہ صداقت کی کسوٹی [illegible] اور ہر پیچیدہ مسئلہ کو حل کر دیتی ہے [illegible] کے ابطال میں مسیحی کلیسیا میں بھی [illegible] صحیح [illegible] مسیحی [illegible] نہیں [illegible] ہے [illegible]

آواز خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

تاہم یہ فیصلہ ہوا ہمارے درمیان کوئی گروہ ہے کلیسیا کا یہ فرض ہے کہ ہندوستانیوں کو اس قسم کے توہمات اور خامیانہ خیالات سے نجات دے اور اس قسم کی قائم مقام اخلاقیات کے عوض اس لاتبدیل سچائی پر زور دے جو خدا کی طرف سے کلیسیا کے سپرد کی گئی ہے۔ کلیسیا کے پیشواؤں کا یہ فرض ہے کہ وہ کلام اللہ کو کماحقہٗ سمجھ کر اس کی روشنی میں رسومات کو آزمائیں کہ آیا وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں" اور اپنے ابنائے وطن پر ان کی خامیوں کو ظاہر کریں۔

سوم - مدلل مسیحی صحافت اور تصنیفات کی ضرورت

اگرچہ رسولی زمانے کی طرح دور حاضر میں مسیحیوں کی ایک بڑی تعداد ناخواندہ اور ان پڑھ لوگوں کی ہے تاہم وہ وقت جلد آنے والا ہے جب ابتدائی کلیسیا کی طرح ہندوستانی کلیسیا کو بھی مدافعانہ کتب کی تصنیف کرنے میں لگنا ہوگا۔ آج کل کا زمانہ تبدیلیوں کا زمانہ ہے اور ہندوستانی کلیسیا کے سامنے بیشمار اور لاتعداد موقعے ہیں۔ غیر مسیحی مذاہب اور اخلاقیات اب لوگوں کی پیاس بجھانے سے قاصر ہیں اور انجیل کا پیغام ہی تعلیم یافتہ اشخاص کی تسلی کا موجب ہو کر ان کی تمام مشکلات کو حل کر سکتا ہے ورنہ اگر کلیسیا دور اندیشی کو کام میں نہیں لائے گی اور ان موقعوں کو ہاتھ سے کھو دے گی تو اس کا انجام کلیسیا اور ملک دونوں کے لئے نہایت حسرت ناک ہوگا۔ پس ایک ایسی اعلیٰ تعلیم یافتہ خادمان دین کے طبقہ کی اشد ضرورت ہے جو روحانی تجربات اور ذہنی قابلیت کے ذریعے اس نہایت اہم کام کو احسن طور پر سرانجام دے سکے۔

(۷) کلیسیائی حالات میں تغیر و تبدل

کلیسیا کے اندرونی معاملات میں ایسی تبدیلیاں واقع ہو رہی ہیں جن کا اثر اس کی زندگی کے ہر شعبہ پر لازمی طور پر پڑے گا اور جن کا تعلق خادمان دین کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ہے۔

(الف) یہ احساس روز بروز بڑھتا جاتا ہے کہ ہندوستانی کلیسیا کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ ہندوستان کے طول و عرض میں خداوند کی نجات کی بشارت دے۔ ہمیں اس نصب العین کو ہمیشہ اپنی نگاہوں کے سامنے رکھنا چاہئے۔ مشنری سوسائٹیوں کی اب یہی کوشش ہے اور وہ اس نصب العین کے ماتحت یہی کام گذشتہ چند سالوں سے حتی الامکان ہندوستانیوں کے سپرد کرتی جا رہی ہیں۔ یہ اصول درست بھی ہے کہ کسی قوم و ملک کے اصلی پیشوا اس کے اپنے باشندے ہی ہو سکتے ہیں۔ اور کہ مشنری سوسائٹیوں کو یہ کام ہے کہ ایسے پیشواؤں کی تعلیم و تربیت کرے۔ موجودہ جنگ کا ایک نتیجہ ضرور ہوگا کہ مشنریوں کی اور بالخصوص پاسبان مشنریوں کی تعداد بہت کم ہو جائے گی۔ جنگ کی وجہ سے مغربی ممالک کے دینیات کے مدرسے قریباً خالی ہو گئے ہیں کیونکہ تعلیم و تربیت کا سلسلہ کئی سالوں سے بند ہے۔ پس مغربی ممالک کو خود پاسبانوں کی زیادہ ضرورت ہوگی۔ اور یہ پاسبان مشنری کے کام نہیں آ سکیں گے۔

علاوہ ازیں جنگ کے خاتمہ کا اثر مشنری سوسائٹیوں کی مالی حالت پر بے اندازہ ہوگا اور مستقبل میں تبلیغی اغراض کی خاطر ہندوستان میں روپیہ بہت کم آئے گا۔ موجودہ جنگ کی بربادی نے مغربی ممالک کو تباہ

اور برباد کر دیا ہے۔ یورپ اور ایشیا کے بیسیوں ممالک کے ہزاروں شہروں اور لاکھوں بستیوں کو آباد کرنے اور از سر نو بحال کرنے کا کام خاصہ حتی کا گھمبیر نہیں ہوگا اور ان سب باتوں کے لئے روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ پس قدرتی طور پر ہندوستان میں روپیہ کم بھیجا جائے گا اور جس نسبت سے روپیہ کم آئے گا اسی نسبت سے ہندوستانی کلیسیا کی مالی ذمہ داری زیادہ ہوتی جائے گی۔

(ب) یہ اظہر من الشمس ہے کہ اس قسم کی عظیم تبدیلی کو سرانجام دینے کے لئے ہندوستانی کلیسیا کے لئے لازم ہوگا کہ وہ اعلیٰ ترین پایہ کے آدمی مہیا کرے جو اس بار گراں کو اٹھانے کے اہل ہوں۔ کیا ایسے اشخاص ہمارے پاس آج موجود ہیں؟ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کلیسیا میں اس قسم کے اعلیٰ ترین اشخاص کا قحط ہے۔ غالباً جنوبی ہند میں ایسے اشخاص کم زیادہ تعداد میں موجود ہیں لیکن شمالی ہند میں ایسے اشخاص کا وجود کالعدم فی المعدوم کا حکم رکھتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان کے طول و عرض میں ان کی تعداد ضرورت سے بہت کم اور نہایت ناکافی ہے بالخصوص کلیسیا کے پاسبانی اور بشارتی کام کے لئے تو قابل ترین اشخاص مہیا ہی نہیں ہوتے۔ کلیسیا کے تعلیمی اور دیگر اداروں میں قابل ہندوستانی ذمہ داری کے کام پر مامور ہیں لیکن پاسبانی اور بشارتی کام میں (جو کلیسیا کا اصلی کام ہے) ایسے لوگوں کا فقدان ہے۔ خادمان دین کے انتہا العنقا گروہ میں ہمیں ایسے لوگ خال خال نظر آتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کی قابلیت رکھتے ہوں۔ مشنری سوسائٹیاں اپنے خدمات کو ہندوستانی کلیسیا کو تفویض نہیں کر سکتیں اگر اس میں بہترین اشخاص نہ ہوں گے۔ پس نہایت ضروری ہے کہ اعلیٰ ترین پایہ اور قابلیت کے خادمان دین کی تعلیم و تربیت ابھی سے شروع کر دی جائے تاکہ ہندوستانی

کلیسیا اس فرض داری کو سنبھال سکے جو مذہب دیکر کہ مستقبل میں اس کے کندھوں پر ڈال دی جائے گی۔

باب چہارم

تعلیم و تربیت کا موجودہ انتظام

کلیسیائی خدمت کی تعلیم و تربیت کا موجودہ انتظام تین قسم کا ہے:۔

اول۔ دینیات کے کالج جو طلبا کو انگریزی زبان میں تعلیم دیتے ہیں اور ان کو سرامپور کی بی۔ ڈی ڈگری یا اس سے نیچے کی سند کے لئے پڑھاتے ہیں۔ ان میں سے بعض کالج طلبا کو ایل۔ ٹی۔ ایچ کی سند کے لیے بھی تیار کرتے ہیں۔

دوم۔ دینیات کے مدرسے جو زیادہ تر صوبائی ہیں اور دیسی زبانوں میں تعلیم دیتے ہیں۔ بعض مدرسے اپنے طلبا کی پڑھائی کی کمی کو پورا کرنے کے لئے کلام کے علاوہ انگریزی زبان کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض مدرسوں کا الحاق سرامپور کے ساتھ ہے اور وہ ایل۔ ٹی۔ ایچ کی سند کے لئے طلبا کو تیار کرتے ہیں۔

سوم۔ ادنیٰ کلیسیائیں جو بہ ضرورت تقرری بائبل والوں کے لئے خاص جماعتیں کھول دیتی ہیں۔ جس جگہ تعلیم و تربیت کا مستقل انتظام موجود

نہیں وہاں یہ جماعتیں طلبا خادمان دین کو گاؤں کے ماحول میں تربیت دینے کے لئے کھولی جاتی ہیں۔

فصل اوّل

دینیات کے کالج

(۱) سرامپور کالج سرامپور۔ بنگال

کیری۔ مارشمن اور وارڈ نے ۱۸۱۸ء میں اس کالج کی بنیاد ڈالی۔ سرامپور۔ کلکتہ سے چودہ میل کے فاصلہ پر ہے اور دریائے ہگلی کے کنارے پر واقع ہے۔ گو اس کالج کی تاریخ میں نشیب و فراز آئے ہیں لیکن دینیات کی تعلیم و تربیت کا شعبہ اس کا ہمیشہ خصوصی نشان رہا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس امر میں سرامپور کو ہندوستان بھر میں ایک امتیازی جگہ حاصل ہے۔ کیونکہ شاہ ڈنمارک نے ۱۸۲۷ء میں ایک شاہی فرمان کے ذریعہ اس کو ڈگریاں دینے کا اختیار دیا تھا اور ۱۹۱۵ء سے یہ کالج اس اختیار کا استعمال کرتا چلا آیا ہے۔ جس کی وجہ سے گذشتہ تیس سالوں میں دینیات کی تعلیم کا معیار بلند ہوتا گیا ہے۔ اور یوں سرامپور گویا ایک محور ہے جس کے گرد ہندوستان میں دینیات کی تعلیم گھومتی ہے۔ اس کالج میں

علوم اور سائنس وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے اور ان کا دینیات کے ساتھ خاص تعلق ہے ۔ کالج کی باگ ڈور لنڈن کی کونسل کے ہاتھوں میں ہے ۔ جس میں بپٹسٹ کلیسیا کے علاوہ چرچ آف انگلینڈ، چرچ آف سکاٹ لینڈ، کانگریگیشنل اور ویسلیان میتھوڈسٹ شامل ہیں ۔ ہندوستان کی جماعت عامہ میں بھی مختلف کلیسیائیں شامل ہیں اور اس کا تعلق نصاب تعلیم اور دینیات کے قوانین اور دینیات کے امتحانات کے ساتھ ہے ۔ کالج کا اندرونی انتظام صدر اساتذہ سے متعلق ہے جو کونسل کے ماتحت ہے اس کالج کے اخراجات کا بوجھ زیادہ تر بپٹسٹ مشنری سوسائٹی کے کندھوں پر ہے ۔ اگرچہ بعض دیگر سوسائٹیاں بھی اس کی مدد کرتی ہیں لیکن طریقہ کار سے بپٹسٹ مشنری سوسائٹی نے نہایت فراخ دلی سے کام لیا ہے اور نہایت فیاضی سے اپنی قیمتی جائداد کو تمام کلیسیاؤں کی خدمت اور استفادہ کے لئے پیش کر دیا ہے ۔ کونسل اس کالج پر قریباً آدھ لاکھ روپیہ سالانہ خرچ کرتی ہے جس میں سے اکیس ہزار روپیہ دینیات کے شعبہ پر خرچ ہوتے ہیں ۔ دینیات کے یورپین استادوں کی تنخواہ اس کے علاوہ ہے ۔ آج کل اس کالج میں سات استاد ہیں ۔ پرنسپل اور دو دیگر استاد بپٹسٹ مشنری ہیں جن کے تمام اخراجات ان کی سوسائٹی برداشت کرتی ہے ۔ چرچ آف سکاٹ لینڈ کا ایک مشنری اس کے عملہ پر ہے تین ہندوستانی استاد ہیں جن کی تنخواہ کا ادارہ ذمہ دار ہے سوائے ایک استاد کے دینیات کے شعبہ کے تمام اساتذہ دیگر علوم کی بھی تعلیم دیتے ہیں ۔ دینیات کے طلبا دیگر طلبہ کے ساتھ ایک ہی عمارت میں رہتے ہیں اور کالج کی زندگی اور دلچسپیوں میں حصہ لیتے ہیں صرف ان کی نشست گاہ الگ ہے اور باورچی خانے

بھی الگ کر دیتے ہیں ۔ شادی شدہ طلبا کی رہائش کا کوئی انتظام نہیں ہے ۔ کیری نے جو کتب خانہ شروع کیا تھا اس میں اب قریباً انیس ہزار کتب ہیں اور ایک عجائب خانہ بھی ہے جس میں کالج کے بانیوں کی نشانیاں اور آثار بطور یادگار رکھے ہیں ۔ اس کالج میں بعض نادر نسخے کتب ہیں اور اخبار ہیں ۔

دینیات کے طلبا کی تعداد عموماً پچیس ہوتی ہے اور وہ سب کے سب خادم الدین کے عہدہ پر مامور ہو جاتے ہیں ۔ سرامپور میں بہت سالوں سے ہندوستان کے طول و عرض سے طلبا آتے ہیں لیکن نسبتاً زیادہ طلبا جنوبی ہند سے اور بالخصوص مالابار کی شامی کلیسیا سے آتے ہیں ۔ بیس گذشتہ تیس سال سے سرامپور کل ہندوستانی کلیسیا کی خدمت کرتا چلا آیا ہے اور مختلف کلیسیاؤں اور مختلف فرقوں کے طلبا کو اعلیٰ دینیات کی تعلیم و تربیت کرتا چلا گیا ہے ۔

(۲) بشپ کالج ۔ کلکتہ

یہ کالج ہندوستان کے پہلے اینگلیکن بشپ مڈلٹن (امین التقدیس ۱۸۱۴ء - ۱۸۲۲ء) کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے ۔ اس کا بنیادی پتھر ۱۸۲۰ء میں رکھا گیا اور شب پور میں ۱۸۲۴ء میں اس کی رسم افتتاح ہوئی ۔ لیکن ۱۹۱۸ء میں شب پور کی بجائے یہ کالج کلکتہ میں موجودہ جگہ پر کھولا گیا ۔ اس کی شاندار عمارتیں ہیں اور ایک بڑا گرجا ہے ۔ کنوارے اور شادی شدہ طلبا کے رہائش کے قیام گاہیں بھی ہیں ۔ موجودہ جنگ کی وجہ سے یہ کالج عارضی طور پر منتقل ہو گیا ہے ۔

بہت سالوں تک اس کالج میں دینیات کے علاوہ دیگر علوم کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ بلکہ ایک زمانہ ایسا بھی تھا۔ جب دینیات کی تعلیم بند کر دی گئی تھی۔ لیکن ۱۹۱۸ء سے اس کی ازسرنو تنظیم کی گئی اور اب یہ کالج کو صرف دینیات کی تعلیم کے لئے وقف کر دیا گیا ہے جس کا واحد مقصد کلیسیائے انگلستان کے خادمان دین کی تعلیم و تربیت کرنا ہے۔ تب سے یہ کالج کلیسیائے ہندوستان برما اور لنکا کے خادمان دین کی تعلیم و تربیت انگریزی زبان میں کرتا چلا آیا ہے۔ اس کالج کا انتظام مجلس اساقفہ کے ہاتھوں میں ہے اور مجلس عاملہ میں دارالاساقفہ۔ دارالخدام الدین اور دارالعوام کے نمائندے ہیں۔ کالج کے پاس پانچ لاکھ تیس ہزار کا وقف ہے اور اس کے علاوہ انگلستان میں ایک رقم ہے۔ جس سے اس کو ساڑھے چار سو پونڈ کی سالانہ آمدنی ہوتی ہے۔ ۱۹۳۳ء تک اس کا الحاق سرامپور کے ساتھ تھا لیکن اس کے بعد اس نے اپنا تعلق سرامپور سے قطع کر لیا تاکہ وہ تقرر کے امیدواروں کو بہتر تعلیم و تربیت دے سکے۔ لیکن ۱۹۴۷ء میں پھر یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ اس کا الحاق دوبارہ ہو جائے تاکہ اس کے طلبا اپنے آخری سال میں سرامپور کی بی ڈی کی ڈگری حاصل کر سکیں۔

اس کالج میں عموماً پچیس طلبا تعلیم پاتے ہیں جن کو کلیسیائے ہند کے بشپ تعلیم و تربیت کے لئے یہاں بھیجتے ہیں اور وہ تسلی بخش [illegible] اور مقامی کلیسیا کے دینی خادم الدین کے عہدے پر مامور کئے جاتے ہیں عموماً طلبا ڈگری یافتہ ہوتے ہیں اگرچہ اس بات پر چنداں زور نہیں دیا جاتا۔ لیکن ایسے طلبا ۲۵ فیصدی سے زیادہ نہیں ہوتے اور ان کو کالج کا

امتحان پاس کرنا پڑتا ہے۔ شادی شدہ طلبا سے امید کی جاتی ہے کہ وہ اپنی بیویوں کو اپنے ہمراہ لائیں تاکہ ان کی بھی باقاعدہ تعلیم و تربیت ہو سکے۔ جب یہ کالج کلکتہ میں تھا تو ہر ایک طالبعلم کو کسی نہ کسی بازاری حلقہ میں کام کرنا پڑتا تھا۔

کالج کا موجودہ عملہ ایک یورپین پرنسپل اور دو ہندوستانی استادوں پر مشتمل ہے۔ لیکن عام طور پر اس میں چار استاد ہوتے ہیں جن میں دو ایس۔ پی۔ جی کے مشنری ہوتے ہیں۔ استادوں کی بیویاں طلبا کی بیویوں کی تعلیم و تربیت میں مدد دیتی ہیں۔

کالج کا عملہ طلبا کی روحانی تربیت پر زیادہ زور دیتا ہے اور یہ کلیسیائے ہند کی زندگی کی ایک نہایت اہم ضرورت کو بوجہ احسن پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

(۲) یونائیٹڈ تھیولاجیکل کالج بنگلور۔ جنوبی ہند۔

یہ کالج ابتدا ہی سے متحدہ کوشش کا نتیجہ ہے کیونکہ اصلاح یافتہ کلیساؤں اور سوسائٹیوں نے باہمی تعاون کر کے اس کی بنیاد رکھی تھی۔ چنانچہ لنڈن مشنری سوسائٹی، ویسلین میتھوڈسٹ مشنری سوسائٹی۔ چرچ آف سکاٹ لینڈ مشن۔ ارکاٹ مشن اور مدورا مشن کے ساتھ مل کر اس کو قائم کیا تھا کالج کو ڈنمارک کے لوتھرن مشن اور حالیہ کالج کے فنڈ سے اور سکاٹش مشن کے ایس۔ پی۔ جی سے بھی مالی امداد ملتی رہتی ہے۔ اس کالج کی کونسل اور اس کا عملہ مختلف اصلاح یافتہ کلیسیاؤں کے نمائندوں پر مشتمل ہے۔ اس رقبہ کی کمیشن کی رپورٹ بتلاتی ہے کہ یہ کالج اعلیٰ ترین

قسم کا ادارہ ہے اور ہندوستانی کلیسیا کے لئے ایک خزانہ ہے۔ لیکن
اس کالج کے گذشتہ کارنامے اس بات کی بین مثالیں ہیں کہ
کلیسیا تعاون اور اتحاد کے طریقہ عمل پر چل کر اپنے کام کو اعلےٰ ترین
پیمانہ پر چلا سکتی ہے۔

اس کالج کی ابتدا ۱۹۱۰ء میں ہوئی۔ لیکن اس کی مستقل جگہ
اور عمارتیں ۱۹۱۴ء میں تیار ہوئیں۔ ۱۹۱۹ء میں اس کا الحاق مدراس یونیورسٹی
کے ساتھ ہوا۔ اس کے طلبا اکثر بی۔ ڈی کا کورس ختم کرتے ہیں۔ اس
کی انتظامیہ کونسل پر مختلف سوسائٹیوں اور کلیساؤں کے نمائندے مقرر
ہیں۔ اس کے پاس کوئی وقف نہیں ہے اور اس کا انحصار مشنوں اور
کلیساؤں کی سالانہ مالی امداد پر ہی ہے۔ اس کا سالانہ خرچ بغیر پروفیسر
صاحبان کی تنخواہ کے علاوہ اٹھارہ ہزار روپے ہے۔ مشنریوں کی تنخواہ
ان کی سوسائٹیاں ادا کرتی ہیں۔ اس کے عملہ میں پانچ یورپین اور پانچ ہندوستانی
استاد ہیں جن میں سے چار صرف زبانوں کو پڑھانے پر متعین ہیں۔

اس کالج میں تقریباً تیس طلبا تعلیم و تربیت حاصل کرتے ہیں جو
جنوبی ہند اور لنکا کے تقریباً تمام علاقوں سے آتے ہیں۔ تعلیم سے
فارغ ہو کر وہ اکثر خادم الدین کے عہدے پر مامور کئے جاتے ہیں۔
کالج کا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ محض دینیات کا مدرسہ ہی نہ ہو بلکہ
خادمان دین کی تعلیم و تربیت کی جگہ ہو۔ بعض بی۔ ڈی کا کورس لیتے
ہیں اور بعض کالج کی سند کا کورس پڑھتے ہیں جو قریب قریب بی۔ ڈی
کے برابر ہوتی ہے لیکن اس میں دیسی زبانوں پر زیادہ زور دیا جاتا ہے
اگرچہ فرقوں کے اختلافات کی وجہ سے مشکلات رہا ہوتی ہیں ممکن

دیگر کے شہر میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں اور یوں طلبا کے عملی کام
میں مدد ملتی ہے۔ طلبا شہر کے گرجاؤں میں وعظ کرتے ہیں۔ سنڈے
سکولوں میں باقاعدہ کام کرتے ہیں اور سالانہ بشارتی دورہ کا بھی
انتظام کیا جاتا ہے۔ غیر اقوام ملکی طلبا کی تعلیم کا سالانہ امتحان اس کالج
کی امتیازی شان ہے اگرچہ یہ انتظام عارضی طور پر بند ہو گیا ہے۔
اس انتظام کے مطابق کلیسیا کے ہر شعبہ کے ماہرین لیکچر دیتے
ہیں بعض اوقات غیر مسیحی بھی لیکچر دیتے ہیں اور ان سالانہ
اجتماعوں کے ذریعہ طلبا اور لیکچرار ایک دوسرے سے اچھا میل جول
پیدا کر لیتے ہیں۔

اس کالج میں روحانی زندگی پر بہت زور دیا جاتا ہے اور کوشش
کی جاتی ہے کہ طلبا روحانیت میں ترقی کرتے جائیں۔ کالج کا کتب خانہ اچھا
ہے اگرچہ عملہ کے خیال میں وہ علمی تحقیق کے معیاری درجے کے لئے کافی
نہیں ہے۔

(۲) لیونارڈ تھیولاجیکل کالج - جبل پور صوبجات متوسط

اس کالج کی ابتدا بریلی میں مدرسہ دینیات کی انگریزی شاخ سے ہوئی
لیکن ۱۹۲۲ء میں یہ ایک الگ ادارہ ہو گیا۔ اور جبلپور میں منتقل
کر دیا گیا۔ ۱۹۲۶ء سے اس کا کورس چار سالہ ہو گیا ہے۔ داخلہ
کے لئے میٹرکولیشن پاس ہونا لازمی ہے۔ نصاب تعلیم ایسا مقرر کیا
گیا ہے کہ طلبا کو پوری طرح کی ذہنی ترقی حاصل ہو جائے اور ساتھ
ساتھ دینیات کی تعلیم و تربیت بھی مل جائے۔ ۱۹۲۸ء میں کالج کا

الحاق سرامپور سے ہو گیا اور بعض طلباء بی۔ ڈی کے امتحان کے لئے تیار کئے جاتے ہیں۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں اس کا نام لیونارڈ تھیولوجیکل کالج رکھا گیا۔

یہ کالج تیس ایکڑ زمین پر بنا ہے۔ موجودہ عمارتوں میں ایک گرجا، کلاسوں کے کمرے، کتب خانہ، دفتر، بورڈنگ اور استادوں کے بنگلے شامل ہیں لیکن دیگر عمارتیں بنانے کی بھی تجویز ہے۔ خادمان دین کی تعلیم و تربیت کے انتظام کے علاوہ مذہبی تعلیم کا بھی ایک دائرہ عورتوں کا سکول بھی ہے جس میں شادی شدہ طلباء کی بیویوں کو اور دیگر عورتوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔

یہ کالج میتھوڈسٹ کلیسیا کے خادمان دین کی تعلیم و تربیت کے لئے ہے لیکن دیگر کلیسیاؤں کے طلباء کو بھی داخل کر لیا جاتا ہے۔ سنہ ۱۹۳۸ء میں نو مختلف کلیسیاؤں کے طلباء اس میں تعلیم پاتے تھے جو پندرہ مختلف زبانیں بولتے تھے۔ اس کے منتظمین کا بورڈ ہندوستان میں رہتا ہے جس پر میتھوڈسٹ کلیسیا کے بشپ اپنے عہدے کی حیثیت سے ممبر ہیں۔ اس کے علاوہ میتھوڈسٹ کلیسیا اپنی سالانہ کانفرنس میں گیارہ شخصوں کو اس بورڈ پر منتخب کرتی ہے اور پانچ دیگر کلیسیاؤں کے نمائندے اور پانچ اور شخص اس کے انتظامیہ بورڈ کے ممبر ہیں۔ پس بورڈ کی اکثریت میتھوڈسٹ کلیسیا کی ہے اگرچہ دوسری کلیسیاؤں کے نمائندے بھی اس میں موجود ہوتے ہیں۔ اس کا مالی بوجھ تقریباً سب کا سب میتھوڈسٹ کلیسیا کے ذمہ ہے۔ سنہ ۱۹۳۸ء
[illegible] کی سالانہ آمدنی [illegible] روپیہ تھی۔ موجودہ عملہ میں [illegible]

ہندوستانی اور تین پردیسی استاد ہیں جو میتھوڈسٹ مشنری ہیں۔

یہ کالج صرف سیرامپور بی۔ ڈی۔ ڈگری کے لئے طلباء کو تیار کرتا ہے لیکن طلباء کی زیادہ تعداد کالج کی اپنی سند گریجویٹ ان تھیالوجی (جی۔ ٹی۔ ایچ) کے لئے تیار کی جاتی ہے۔ اس سند کے نصاب میں بہت سے مضامین ہیں جن میں سے بعض لازمی اور باقی اختیاری ہیں۔ طلباء کی سوسائٹیاں باقاعدہ طور پر منظم ہیں اور عملی کام پر زور دیا جاتا ہے۔ شخصی مسیحی تجربہ و خدمت کی لازمی شرط ہے اور کالج کی روحانی زندگی کا ایسا انتظام کیا گیا ہے کہ یہ مسیحی تجربہ روز بروز ترقی کرتا جائے۔

سنہ ۱۹۳۸ء میں دینیات کے چالیس طلباء تھے جن میں سے ۳۲ خادم الدین کے عہدے کے لئے خاص طور پر تیار کئے جا رہے تھے۔

یہ کالج جنوبی ایشیا کی میتھوڈسٹ کلیسیا کے خادمان دین کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری کو نہایت خوش اسلوبی سے پورا کر رہا ہے۔ اور اس کے علاوہ دیگر کلیسیاؤں کے خادمان دین کی تعلیم و تربیت کے لئے بھی سہولتیں بہم پہنچاتا ہے۔

(۵) لوتھرن تھیولاجیکل سیمنری۔ راجہ مندری مدراس:

یہ ادارہ کئی سالوں سے یونائیٹڈ لوتھرن کلیسیا کے استادوں، مبشروں اور مشنریوں کی تعلیم و تربیت کرتا چلا آیا ہے۔ سنہ ۱۹۳۰ء سے اس ادارہ کا ایک شعبہ بی۔ ڈی کی ڈگری کے لئے طلباء کو تیار کر رہا ہے۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں پاسٹروں کے لئے پہلی جماعت کھولی گئی اور سنہ ۱۹

تک یہ ادارہ باقاعدہ یونائیٹڈ لوتھرن چرچ اور آندھرا ایونجیلیکل
لوتھرن چرچ کا مدرسہ دینیات بن گیا۔ ۱۹۳۶ء میں امریکن لوتھرن
چرچ نے بھی اس میں شرکت کر لی۔ ۱۹۳۹ء میں اندھرا کرسچن کالج
واقعہ گنٹور نے اپنے دینیات کے شعبہ کو لوتھی گری میں منتقل کر دیا۔ اس
شعبہ کا الحاق تجربے کے طور پر لوتھرن تھیولاجیکل سیمنری گیٹس برگ۔ یا۔
امریکہ کے ساتھ ہوا ہے اور یہ ادارہ اس سیمنری کی بی ڈی ڈگری کے
لئے طلبا کو تیار کرتا ہے۔

یہ ادارہ دریائے گوداوری کے کنارے پر واقع ہے اور اس کا احاطہ
چالیس ایکڑ زمین کا ہے۔ جس میں اچھی عمارتیں موجود ہیں۔ اس میں
استادوں اور مبشروں کے بائبل سکول۔ نارمل ٹریننگ۔ عورتوں کا بائبل
سکول اور دینیات کا مدرسہ ہے اور ان کے علاوہ دینیات کے کالج
کا شعبہ بھی ہے ۱۹۴۶ء میں اس میں چار طلبا پڑھتے تھے جن میں سے
ایک گیٹس برگ کی بی۔ ڈی کے امتحان کی تیاری کرتا تھا۔ ۱۹۳۹ء سے
چار طلبا نے یہ ڈگری حاصل کی ہے جن میں سے ایک تاریخ کلیسیا
میں مہارت تامہ حاصل کرنے کے لئے بنگلور بھیجا گیا ہے۔ اس رقبہ
کی کمیشن کا یہ خیال ہے کہ جہاں تک دینیات کا تعلق ہے یہ ادارہ اندھرا
کی کلیسیا کے لئے اعلیٰ ترین قسم کا ادارہ ہے۔ جس کا پروگرام نہایت
مکمل ہے۔ دینیات کے شعبہ میں چار ہندوستانی اور دو پردیسی استاد
ہیں لیکن وہ اپنے وقت کا زیادہ حصہ ادارہ کے دیگر شعبوں کی تعلیم
و تربیت پر صرف کرتے ہیں۔

(۶) خلاصہ:

(الف) تقسیم۔ مندرجہ بالا پانچ ادارے جو طلبا کو بی۔ ڈی یا
اس کے برابر کی سند کے لئے تیار کرتے ہیں اور انگریزی زبان میں
تعلیم دیتے ہیں جغرافیائی لحاظ سے یوں تقسیم کئے گئے ہیں:

شمال مشرقی ہندوستان میں دو ادارے ہیں یعنی سرامپور کالج
اور بشپ کالج۔ وسطی ہندوستان میں ایک ادارہ ہے یعنی لیونارڈ
تھیولاجیکل کالج۔

جنوب وسط ہندوستان میں ایک ادارہ ہے یعنی یونائیٹڈ
تھیولاجیکل کالج آف ساؤتھ انڈیا اینڈ سیلون۔

جنوب مشرقی ہندوستان میں ایک ادارہ ہے یعنی لوتھرن
تھیولاجیکل سیمنری۔

(ب) عملہ۔ دیسی زبانوں کے پڑھانے والوں کو چھوڑ کر پندرہ
ہندوستانی اور تیرہ پردیسی استاد ہیں جو اپنا تمام وقت یا زیادہ وقت
دینیات کے پڑھانے میں صرف کرتے ہیں۔ ان تمام اداروں میں
علاوہ سولہ ہندوستانی استاد کام کرتے ہیں:

(ج) طلبا۔ ۱۹۴۲ء میں ایک سو چار طلبا دینیات کی اعلیٰ تعلیم
حاصل کر رہے تھے۔ اگر ان کا نصاب چار سال کا فرض کر لیا جائے تو
اس حساب سے قریباً ۲۶ شخص ہر سال اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں
تاکہ خادم الدین کے عہدے پر مامور ہو جائیں۔ [illegible] ہر سال اس گروہ
میں ۲۶ کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

فصل دوم

دینیات کے مدرسے

دینیات کے مدرسوں کی بابت لکھنا ایسا آسان نہیں جیسا دینیات کے کالجوں کی بابت کیونکہ یہاں بعض مشنروں نے پیچیدگیاں پیدا کردی ہوئی ہیں۔ ان مدرسوں کی ایک بڑی تعداد میں نہ صرف تقرر کے امیدوار ہی تعلیم و تربیت پاتے ہیں بلکہ منادوں کو بھی ساتھ ساتھ تعلیم دی جاتی ہے۔ بعض ابھی ذمینی سکول کی منزل پر ہی ہیں اور صرف منادوں کو ہی تیار کرتے ہیں جن میں سے بعض کا بعد کو تقرر کیا جاتا ہے۔

یہاں ہم مختصر طور پر صرف ان مدرسوں کا ہی ذکر کرینگے جن میں خادمان دین کو کسی نہ کسی صورت میں تعلیم و تربیت دی جاتی ہے اور جن کے اعداد و شمار میں تقرر کے امیدواروں کا ذکر ہے۔

(الف) صوبہ بمبئی (گجراتی اور مرہٹی زبانوں کا رقبہ)۔

اس رقبہ میں تین دینیات کے مدرسے ہیں:-

(۱) گجرات یونائیٹڈ سکول آف تھیالوجی بڑودہ

(۲) یونائیٹڈ تھیولاجیکل کالج آف ویسٹرن انڈیا - پونا

(۳) سینٹ اینڈروز ڈوینٹی سکول - ناسک

(۱) گجرات کا مدرسہ دینیات صوبہ بمبئی کے گجراتی زبان بولنے والوں

کے لئے ہے۔ اس علاقہ میں میتھوڈسٹ کلیسیا کا کام ہے لیکن اس سکول کا پرنسپل پریسبٹیرین ہے اور اس کو یونائیٹڈ چرچ آف ناردرن انڈیا۔ دی آئرش پریسبٹیرین مشن۔ میتھوڈسٹ چرچ۔ چرچ آف دی بریدرن اور دی چرچ آف دی بریدرن مشن ملکر چلاتے ہیں۔

آج کل اس میں چودہ امیدواران تقرر تعلیم و تربیت حاصل کرتے ہیں اور دو طلبا کی بیویاں بھی پڑھنے لکھنے کی تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ اس کا پرنسپل پردیسی ہے اور اس کے عملہ پر تین ہندوستانی ہیں۔ ۱۹۳۵ء میں اس کی سالانہ آمدنی ۱۴۳۲۵ روپیہ تھی جس میں سے مشنوں کی گرانٹ چودہ ہزار روپیہ تھی۔

(۲) یونائیٹڈ تھیولاجیکل کالج آف ویسٹرن انڈیا۔ شہر پونا میں واقع ہے اور اس کو امریکن مرہٹی مشن۔ امریکن پریسبٹیرین مشن چرچ آف سکاٹ لینڈ مشن اور میتھوڈسٹ چرچ مل کر چلاتے ہیں۔ اس میں ان کلیساؤں کے اور دیگر پروٹسٹنٹ کلیساؤں کے دس امیدواران تقرر تعلیم و تربیت حاصل کرتے ہیں جو مرہٹی زبان بولتے ہیں۔ اس مدرسہ کا الحاق سرامپور کے ساتھ ہے اور سرامپور کی ایل۔ ٹی۔ کے لئے طلبہ تیار کئے جاتے ہیں۔ تعلیم کا ذریعہ مرہٹی زبان ہے۔ اس کے عملہ پر مختلف کلیساؤں کے نمائندے ہیں جو زیادہ تر دیسی ہیں۔ اس میں کچھ مشنری اور تین دیسی کچھ وقت کے لئے لیکچر دیتے ہیں۔ یہاں طلبہ اپنی بیویوں سمیت رہتے ہیں اور بیویاں بھی تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ تمام طلبا کا تقرر کیا جائے لیکن امید ہے کہ ان میں سے بہت کا تقرر ہو جائے گا۔ اس ادارہ کا سالانہ

خرچ مشنریوں کی تنخواہوں کے علاوہ دس ہزار روپیہ ہے جس میں سے
مشنری سوسائٹیاں آٹھ ہزار دیتی ہیں۔

(۳) سینٹ اینڈریوز ڈوونٹی سکول ناسک: یہ سکول ناسک
اور بمبئی کے استقفی علاقوں کے ان امیدواران تقرر کے لئے کھولا گیا ہے
جن کی زبان مرہٹی ہے اس کے عملہ پر ایک پردیسی اور دو ہندوستانی
کام کرتے ہیں اس میں بارہ امیدوار تعلیم و تربیت حاصل کرتے ہیں
اس کی سالانہ آمدنی مشنری کی تنخواہ کے علاوہ [illegible] روپیہ ہے جس
میں سے ۵ ہزار وقف جائداد سے آتے ہیں اور قریباً بارہ سو اسی روپیہ
مشن دیتی ہے

(ب) کرناٹک۔ (کناری زبان)۔

کناری زبان کا رقبہ بہت چھوٹا ہے لیکن اس میں مسیحیوں کی
تعداد کم ہے۔ اس میں دینیات کا کوئی مدرسہ نہیں ہے گذشتہ زمانہ
میں باسل مشن منگلور جبکہ سکول امیدواران تقرر کی تعلیم و تربیت کا
کام سرانجام دیا کرتا تھا ٹمکور کی یونین کناری سمنری ایک اعلیٰ درجہ
کا بائبل سکول ہے جس کا خاص کام منادوں کی تعلیم ہے لیکن بعض
اوقات امیدواران تقرر کی بھی تعلیم و تربیت کی جاتی ہے۔

کولار میں ایک بائبل انسٹی ٹیوٹ ہے۔ جسکو نیشنل ہولی نس
مشن آف امریکہ چلاتی ہے۔ اس کے طلبا باہر سے آتے ہیں اور مختلف
کلیسیاؤں کے متعلق ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تعلیم انگریزی زبان
میں دی جاتی ہے۔ آج کل اس ادارہ میں چار طلبا پڑھتے ہیں۔ اسکے
عملہ پر چھ پردیسی مشنری کچھ وقت کے لئے پڑھاتے ہیں لیکن عملہ

پر کوئی ہندوستانی موجود نہیں ہے۔

(ج) کیریلا۔ ملے آلم زبان

ہندوستان میں ایسی جگہیں بہت کم ہیں جن میں تعاون اور
اشتراک عمل سے ایسی خوبی سے کام چل رہا ہے۔ ٹریونڈرم کے بائبل
سکول کو بہت سالوں سے لندن مشنری سوسائٹی چلا رہی ہے جب یہ
طلبہ کو ایل۔ ٹی۔ ایچ کی سند کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ اس علاقہ میں
دینیات کے اور ادارے بھی تھے جن کو انگلیکن کلیسیا اور مارتوما
کی کلیسیائیں چلاتی تھیں اور جن کا الحاق سرامپور کے ساتھ تھا۔
باسل مشن کی ملے آلم کلیسیا اپنے طلبا کو منگلور بھیجتی تھی۔ لیکن
اب ٹریونڈرم کے ادارے کی از سر نو تنظیم کی گئی ہے اور اس کو لندن
مشنری سوسائٹی، باسل مشن (مالابار علاقہ) اور ٹراونکور کے استقفی
علاقہ کی کلیسیا باہم مل کر چلاتی ہیں۔ مارتوما کی شامی کلیسیا تجربہ کے طور
پر تین سال کے لئے اس میں شامل ہو گئی ہے اور اب اس ادارہ کا
نام کیریلا یونائیٹڈ تھیولوجیکل سمنری ہے۔ عام طور پر اس میں ملے
آلم زبان میں تعلیم دی جاتی ہے لیکن چونکہ اس میں چند طلبہ تامل زبان
بولنے والے بھی ہیں لہذا تعلیم دو زبانوں میں دی جاتی ہے اور یہ ایک
بڑی مشکل ہے ایک اور مشکل یہ ہے کہ اس میں دو قسم کے طلبا
تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ایک وہ جو ایل۔ ٹی۔ ایچ کی سند کے لئے
تیاری کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو اس سند کے لئے نہیں پڑھتے۔
بعض اوقات دونوں جماعتیں اکٹھی پڑھائی جاتی ہیں طلبا کی تعداد
۲۷ ہے جن میں سے ۱۸ تقرر کے امیدوار ہیں۔ اس کے عملہ پر چھ استاد

ہیں جن میں سے ایک پردیسی ہے اور ایک پنڈت ہے جو سنسکرت پڑھاتا
ہے۔ مشنریوں کی تنخواہ کے علاوہ اس کی سالانہ آمدنی تین ہزار نو سو
روپیہ ہے۔

(د) وسط ہندوستان اور برار (ہندی اور مرہٹی زبانیں)

اس رقبہ میں تین مدرسہ دینیات ہیں

(۱) یونین تھیولوجیکل سیمنری۔ اندور میں ہے یہ ادارہ وسط ہندوستان
اور صوبجات متوسط کی یونائٹڈ چرچ آف ناردرن انڈیا کی ضروریات
کو پورا کرتا ہے۔ اس کو چرچ آف سکاٹ لینڈ مشن راجپوتانہ۔ امریکن
ایوینجیلیکل مشن۔ یونائٹڈ چرچ آف کینیڈا مشن، اور علاقہ کی یونائٹڈ
چرچ آف ناردرن انڈیا کی کونسلیں ملا کر چلاتی ہیں۔ اس میں تعلیم
کے دو نصاب ہیں ایک ایل۔ ٹی۔ ایچ کورس جس میں ہندی اور انگریزی
دونوں زبانوں کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے اور دوسرا نصاب نچلے درجہ
کا ہے جس کو صرف ہندی کے ذریعہ پڑھایا جاتا ہے عملہ پر چار ہندوستانی
اور ایک پردیسی استاد ہیں جو اپنا تمام وقت اسی ادارہ میں صرف کرتے
ہیں۔ بقیہ اور پردیسی استاد اپنے وقت کا کچھ حصہ اس میں دیتے ہیں۔
آج کل اس میں دو تقرر کے امیدوار اور آٹھ دوسرے طلبا تعلیم حاصل
کرتے ہیں اس کا سالانہ بجٹ مشنریوں کی تنخواہ کے علاوہ چھ ہزار روپیہ
ہے۔ وسط ہند میں یہ واحد مدرسہ ہے جس میں ہندی زبان بولنے والوں
کو تعلیم و تربیت دی جاتی ہے۔

(۲) باتکمیل ٹریننگ کالج۔ ایوٹ مال۔ برار۔ اس ادارہ کو فری
میتھوڈسٹ چرچ نے ۱۹۳۹ء میں قائم کیا اور یہی کلیسیا اس کے

طریق عمل اور مالی حالت کی ذمہ دار ہے۔ اس ادارہ میں منادوں کی ٹریننگ
تقرر یافتہ امیدواروں۔ نارمل ٹریننگ والوں اور عورتوں کی جماعتیں
موجود ہیں۔ مرہٹی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے آج کل اس میں نو
امیدواران تقرر ایل۔ ٹی۔ ایچ کی سند کے لئے پڑھتے ہیں۔ عملہ
پر سات استاد ہیں جن میں سے تین ہندوستانی ہیں مشنریوں کی تنخواہ
کے علاوہ اس کا سالانہ بجٹ ۹۰۰۰ روپیہ ہے۔

(۳) باتکمیل ٹریننگ سکول ناگاؤں۔ اگرچہ یہ ادارہ صوبہ
بمبئی میں واقع ہے لیکن اس کا تعلق برار خاندیش کرسچین کانفرنس
کے ساتھ ہے۔ اس کی مالی ذمہ داری زیادہ تر کرسچین اینڈ مشنری الائنس
پر ہے اگرچہ تین دیگر مسیحی فرقے بھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ آج
کل اس میں ۔۔ طلبا ہیں جن میں سے دس تقرر کے امیدوار ہیں عملہ
پر چار پردیسی استاد ہیں جن میں سے دو پورا وقت کام کرتے ہیں
اور چار دیسی استادوں میں سے دو اپنے وقت کا کچھ حصہ اس میں کام
کرتے رہتے ہیں۔ ادارہ کا سالانہ خرچ مشنریوں کی تنخواہ کے علاوہ ۵
ہزار دو سو روپیہ ہے۔

(ہ) شمال مشرقی ہند۔ (بنگالی، ہندی، اڑیہ، سنتالی اور منڈاری زبانیں)

اس لیے چھوٹے رقبہ میں دینیات کے مطالعہ کی سہولتیں
بہت ہی ناکافی ہیں

(۱) بنگال۔ سرامپور اور بشپ کالج دونوں بنگال میں واقع ہیں۔
اگرچہ دونوں حاضر ہیں ان اداروں میں بہت کم بنگالی طلبا پڑھتے رہتے

میں مختلف جگہوں میں آباد ہیں۔ لیکن ان کی زیادہ تر آبادی صوبۂ بہار
کے سنتالی پرگنوں میں ہے۔ یہ لوگ اپنی قدیمی روایات اور دستورات
کے بہت پابند ہیں۔ اور قومی امتیازات کو برقرار رکھتے ہیں۔ ان میں سے
قریباً چالیس ہزار مشرف بہ مسیحیت ہو گئے ہوئے ہیں

سکینڈے نیویا کی سنتال مشن نے کئی سالوں سے بینا گیریا میں
سنتالی کارندوں کے لئے ایک مدرسۂ دینیات کھول رکھا ہے لیکن
اس ایک ادارے کے سوا دینیات کا اور کوئی ادارہ موجود نہیں ہے جس
کے ذریعہ سنتالی خادمان دین کی تعلیم و تربیت ہو سکے۔ سنتالیوں کی
تعلیمی حالت بہت پست ہے اور سنتالی مسیحیوں نے شاذ و نادر ہی ہائی سکول
کا کورس ختم کیا ہوگا۔ جہاں تک ہمیں علم ہے کوئی سنتالی خادم الدین میٹری
کیولیشن پاس نہیں ہے۔

(ج) پنجاب اور صوبجات متحدہ (اردو اور ہندی زبانیں)

اس بڑے علاقے میں پانچ مدرسۂ دینیات ہیں جو امیدواران تقرری
کی تعلیم و تربیت کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ دو مدرسے پنجاب میں ہیں اور
تین یو۔ پی میں ہیں اور تمام مدرسوں کی تقسیم فرقہ وارانہ بنا پر ہے۔

(۱) بریلی تھیولاجیکل سمیزی۔ یو۔ پی۔ میتھوڈسٹ کلیسیا کی ہے۔ جس میں
مردوں اور امیدواران تقرری دونوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔ ۱۹۴۲ء
میں اس میں ۴۴ طلبا پڑھتے تھے۔ جو زیادہ تر میتھوڈسٹ تھے لیکن
بپٹسٹ۔ برٹش میتھوڈسٹ اور باقی کلیسیائیں بھی کبھی کبھی طلبا بھیج
دیتی ہیں۔ عملہ پر پانچ استاد ہیں جن میں سے ایک پردیسی ہے کورس
تین سال کا ہے اور ہندوستانی زبان کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے۔

۱۹۴۳ء میں اس میں ۴۰ طلبا پڑھتے تھے جو زیادہ تر میتھوڈسٹ تھے
لیکن بپٹسٹ۔ برٹش میتھوڈسٹ اور باقی کلیسیائیں بھی کبھی کبھی طلبا
بھیج دیتی ہیں۔ عملہ پر پانچ استاد ہیں جن میں سے ایک پردیسی ہے
کورس تین سال کا ہے اور ہندوستانی زبان کے ذریعہ تعلیم دی جاتی
ہے۔ اس کے طلبا میں سے قریباً چالیس فیصدی خادم الدین کے عہدہ
پر مامور ہو جاتے ہیں۔

(۲) کھتولی ڈوونٹی سکول کولاہور۔ دہلی اور لکھنؤ کے اسقفی علاقے
اور انگلستان اور آسٹریلیا کی سی۔ ایم۔ ایس ملکر چلاتے ہیں۔ یہ مدرسہ
۱۹۳۰ء سے جاری ہے۔ شروع ہی سے اس میں دو قسم کے طلبہ
پڑھتے ہیں یعنی امیدواران تقرری اور رہنما۔ آج کل اس میں ۱۷ طلبا
پڑھتے ہیں جن میں سے نو خادم الدین کے عہدہ کے لئے تعلیم و تربیت
حاصل کر رہے ہیں۔ اس کے عملہ پر ایک پردیسی اور دو ہندوستانی
استاد ہیں۔ استادوں کی تنخواہوں کے علاوہ اس کا سالانہ خرچ ۲۰۵۶
روپیہ ہے۔

موجودہ جنگ کی وجہ سے بشپ کالج کلکتہ سے عارضی طور پر پونا
منتقل کر دیا گیا ہے۔

(۳) لرنا تھیولاجیکل کالج۔ سہارنپور۔ [illegible] سال کا عرصہ گذرا
امریکن پریسبیٹیرین مشن نے اس ادارہ کو شروع کیا تھا۔ کچھ [illegible] تک
یہ کالج تھا اور اس کا الحاق سرامپور کے ساتھ تھا اور طلبا کو بی۔ ڈی
کی ڈگری اور ایل۔ ٹی۔ ایچ کی سند کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ ۱۹۲۶ء سے
۱۹۳۵ء تک اینگلیکن اور بپٹسٹ کلیسیائیں بھی اس میں مل کر کام

کرتی تھیں۔ لیکن اس کے بعد یہ ایک مختلف ادارہ نہ رہا۔ اب کل انتظام
یونائیٹڈ چرچ آف ناردرن انڈیا کے ہاتھوں میں ہے اور اس کا مالی
بوجھ امریکن پریسبٹیرین مشن کے کندھوں پر ہے۔ ۱۹۳۳ء سے اس میں
پانچ مختلف قسم کے نصابوں کی تعلیم اردو زبان میں دی جاتی ہے۔ اس
سال اس ادارہ میں ۶۰ طلبا رہائش گزین تھے اور تین ہندوستانی
استاد اپنا تمام وقت اس میں صرف کرتے تھے۔ ایک پردیسی استاد
مقررہ وقت کے لئے کام کرتا تھا۔ جنگ کی وجہ سے طلبا کی تعداد
میں نمایاں کمی واقع ہو گئی ہے۔ ۱۹۳۷ء اور ۱۹۴۲ء کے درمیان
چالیس طلبا نے اپنا کورس پورا کیا اور ان میں سے ۳۴ خادم الدین کے
عہدے پر مامور کئے گئے۔ اس ادارہ کا سالانہ بجٹ گیارہ ہزار روپیہ
ہے۔

(د) ٹوبہ سنگھ۔ پنجاب۔ چرچ آف سکاٹ لینڈ پنجاب مشن نے ٹوبہ سنگھ
میں ایک سکول کھول رکھا ہے جس میں منادوں اور امیدواران تقرر
دونوں کی تعلیم و تربیت ہوتی ہے۔ امیدواران تقرر منادوں میں سے
لئے جاتے ہیں۔ گزشتہ چند سالوں سے اس مدرسہ میں امیدواران
تقرر کی جماعت بھی ہے اور یہ امیدوار اپنے تعلیم و تربیت کے زمانہ میں
ساتھ ساتھ گاؤں میں بھی منادی کا کام کرتے ہیں۔ اس میں تین سال
کا کورس ہے اور تعلیم اردو زبان میں دی جاتی ہے۔ ۱۹۴۲ء میں
اس میں آٹھ طلبا تھے اور سب کے سب گاؤں کی کلیسیاؤں کی رہنمائی
کے لئے تیار کئے جا رہے تھے۔ عملہ پردیسی اور دو دیسی استاد
تھے جن کے سپرد مدرسہ کے علاوہ دیگر قسم کی بھاری ذمہ داریاں بھی

تھیں۔ ایک اور استاد مقررہ وقت کے لئے عربی سکھانے کے لئے
آیا کرتا تھا۔ اس ادارہ کی مالی ذمہ داری زیادہ تر چرچ آف سکاٹ
لینڈ کے کندھوں پر ہے۔ ایس۔ پی۔ سی۔ کے چالیس پونڈ سالانہ گرانٹ
دیتی ہے۔ ۱۹۴۲ء میں یہ سکول طلبا کی عدم موجودگی کی وجہ سے عارضی
طور پر بند ہو گیا تھا۔

(ھ) ٹوبہ سنگھ سے بیس میل دور گوجرانوالہ میں امریکن یونائیٹڈ پریسبٹیرین
چرچ کی پنجاب سنڈ کا دینیات کا مدرسہ ہے جو عرصے سے قائم ہے
اور قریباً ایک لاکھ مسیحیوں کو اس کے طلبا سے فائدہ پہنچتا ہے۔ آج کل اس
میں بارہ امیدواران تقرر پڑھتے ہیں اور ایک مناد طالب علم ہے۔ عملہ
پر دو پردیسی اور ایک ہندوستانی استاد ہیں۔ اس ادارہ کی مجلس
عاملہ کو یو۔ پی۔ چرچ کی سنڈ مقرر کرتی ہے۔ اوقاف کے ذریعہ اسکی
آمدنی نو ہزار روپیہ ہے اور مشنری استادوں کی تنخواہ مشن ادا
کرتی ہے۔ ان تنخواہوں کے علاوہ مشن اور کوئی مالی امداد نہیں دیتی
اگرچہ اس کا سالانہ خرچ دس ہزار روپیہ ہے۔

(ز) صوبہ مدراس (شمال مشرقی حصہ) اور ریاست حیدرآباد (تیلیگو زبان)
ہندوستان بھر میں کوئی کلیسیا تیلیگو علاقہ کی کلیسیا کی طرح
زور آور اور توانا نہیں۔ یہاں قریباً دو لاکھ مسیحی رہتے ہیں۔ اس
علاقہ میں لوتھرن، اینگلیکن، امریکن بپٹسٹ اور کینیڈین بپٹسٹ
کلیسیائیں کام کرتی ہیں۔ حیدرآباد ریاست میں میتھوڈسٹ اور دیگر
کلیسیاؤں کے دو لاکھ سے زیادہ [illegible] لیتے ہیں۔ گو اندھرا دیش

کے مغربی حصہ میں ساؤتھ انڈیا یونائیٹڈ چرچ کے مسیحی تعداد میں
اس قدر نہیں تاہم یہ کلیسیا بھی سرگرم اور جوشیلی کلیسیا ہے۔
اس تمام علاقہ میں چار مدرسہ دینیات ہیں جو امیدواران تقرر
کو تیلیگو زبان میں تعلیم دیتے ہیں یعنی لوتھرگری سمینری واقع
راج مندری۔ ڈورنکل تھیولوجیکل سکول۔ امریکن بیپٹسٹ سمینری واقعہ
راماپٹنم اور کینیڈین بیپٹسٹ سمینری واقعہ کوکاناڈا۔ ان مدرسوں کے
علاوہ اس علاقہ کے امیدواران تقرر بنگلور اور دوسرے مقاموں
میں جاکر دینیات کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

(۱) گذشتہ باب میں لوتھرگری کے کالج کا ذکر ہو چکا ہے جب
دینیات کی کمیشن اس جگہ گئی تو یہاں ۲۹ تقرر کے امیدواروں میں
سے ۲۴ مدرسہ میں تعلیم و تربیت حاصل کر رہے تھے۔ اس ادارہ
میں پا مشنوں کی جماعت درحقیقت سمینری کی جان ہے اور اس
کا نظم و نسق اعلیٰ پیمانہ پر ہے۔ اس کے عملہ پر چار ہندوستانی اور دو
پردیسی کام کرتے ہیں جن کے سپرد اس ادارہ کے دوسرے شعبے
بھی ہیں۔

(۲) امریکن بیپٹسٹ تھیولاجیکل سمینری رماپٹنم کے عملہ پر تین
ہندوستانی اور تین پردیسی کام کرتے ہیں۔ آج کل اس میں ۲۴
طلبا ہیں جن میں سے ۱۴ تقرر کے امیدوار ہیں۔ اس ادارہ کا سالانہ
خرچ مشنریوں کی تنخواہ کے علاوہ ۹۶۴۰ روپیہ ہے جس میں سے
تقریباً سات ہزار روپیہ وقف جائداد سے ملتا ہے۔

(۳) کینیڈین بیپٹسٹ سمینری کوکاناڈا کے عملہ پر ایک پردیسی اور

تین ہندوستانی استاد ہیں۔ اس میں چالیس طلبا ہیں جن میں سے
بارہ امیدواران تقرر ہیں۔ مشنری کی تنخواہ کے علاوہ اس کا سالانہ خرچ
تقریباً چھ ہزار چار سو روپیہ ہے۔ جس میں سے کینیڈین بیپٹسٹ مشن
چودہ ہزار روپیہ دیتی ہے۔
یہ تجویز زیر غور ہے کہ مندرجہ بالا دونوں مدرسوں کو ملا کر ایک
مدرسہ کر دیا جائے۔

(۴) ڈورنکل سکول واقع ڈورنکل اس اسقفی علاقہ کے خادمان دین
کی تعلیم و تربیت کے واسطے کھولا گیا ہے۔ اس میں تیرہ طلبا ہیں جن
میں سے بعض انڈھرا کرسچین کالج کے گریجوایٹ ہیں عملہ پر ایک
پردیسی اور دو ہندوستانی استاد ہیں۔ اس کا سالانہ خرچ مشنری
کی تنخواہ کے علاوہ ۱۲۵ پونڈ ہے جس میں سے بارہ سو روپیہ کے
قریب وقف جائداد کی آمدنی ہے اور ۲۰ پونڈ مشنوں کا گرانٹ ہے

(د) صوبہ مدراس (جنوبی) اور ریاست ٹراونکور (تامل زبان)

اس علاقہ میں دینیات کے گیارہ ادارے ہیں جن میں سے صرف
دو خادمان دین کی تعلیم و تربیت کرتے ہیں یعنی بشپ تھیولاجیکل
کالج ترووارسے پور۔ ٹنادلی اور لوتھرن تھیولاجیکل سکول گروکل۔
مدراس۔ دو اور ادارے ہیں جو پہلے امیدواران تقرر کی تعلیم و تربیت
کرتے تھے یعنی یونین سمینری۔ پسوملے اور ارکاٹ سیمنری۔ ویلور
لیکن اب جہاں میں آج کل طلبا کی تعداد خاصی ہے پر ان میں امیدواران
تقرر نہیں ہیں۔

(۱) بشپ تھیولاجیکل کالج ترووارسے پور میں ٹنادلی اسقفی علاقہ کے

اعلیٰ تعلیم دیتے تھے۔ یعنی بیپٹسٹ ڈرنٹی کالج اور اینگلیکن کالج آف
دی ہولی کراس جن میں انگریزی زبان کے ذریعے تعلیم دی جاتی تھی آسام
کی طرح برما میں بھی زبانوں کے اختلاف نے مشکلات پیدا کر رکھی ہیں برما
کی کیبنٹ نے چند تجاویز پیش کی ہیں جو زیر غور ہیں کہ جنگ کے بعد
ان پر عملدرآمد کیا جائے۔

(۳) لنکا

لنکا کی کلیسیائیں اپنے خادمان دین کی تعلیم و تربیت کا انتظام لنکا
کے باہر کرتی ہیں۔ چنانچہ کلیسیائے ہند و برما و لنکا کے خادمان دین کی
تعلیم و تربیت بشپ کالج کلکتہ میں اور بشپ تھیولاجیکل کالج دہلی
میں اور انگلستان اور کینیڈا کے دینیات کے مدرسوں اور کالجوں میں ہوتی
ہے میتھوڈسٹ کلیسیا اپنے تقرر کے امیدواروں کو بنگلور اور [illegible] کلیسیا
ان کو سرامپور بھیجتی ہے اور سالویشن آرمی انڈیا یونائیٹڈ چرچ (جافنا چرچ
کونسل) ان کو سرامپور اور بنگلور بھیجتی ہے۔ کولمبو کے انگلیکن خلیفہ نے
خاص کولمبو میں خادمان دین کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ دینیات کھول
رکھا ہے جس میں انگریزی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے جہاں وہ امیدوار
داخل کیے جاتے ہیں جنہوں نے لندن کی میٹرکولیشن کی سند یا اس کے
برابر کی سند حاصل کی ہو۔ لنکا بھر میں یہی ایک مدرسہ دینیات ہے
جس کا تعلق غیر رومی کلیسیا کل سے ہے۔

(ط) خلاصہ :-

مذکورہ بالا خاکہ سے ناظرین پر واضح ہو گیا ہو گا کہ:-
(۱) تمام ہندوستان اور برما اور لنکا میں غالباً اڑھائی سو سے زیادہ

امیدواران تقرر تعلیم و تربیت حاصل نہیں کر رہے لیکن کلیسیا کو اس
سے کم از کم دگنی تعداد کی ضرورت ہے کیونکہ باب سوم کے نتائج کے مطابق
لازم ہے کہ دینیات کے اداروں سے کم از کم ایک سو ساٹھ امیدواران تقرر
ہر سال علم کی تحصیل سے فارغ ہوں پس دینیات کے سہ سالہ کورس
کے لئے لازم ہے کہ طلباء کی تعداد کم از کم چار سو اسی ہو۔
(۲) اگرچہ بظاہر استادوں کی تعداد کچھ خاصی نظر آتی ہے لیکن درحقیقت
یہ تعداد و شمار دھوکا دیتے ہیں کیونکہ ان اداروں میں بہت کم ایسے استاد
ہیں جن کا کام صرف دینیات کی تعلیم دینا ہے۔ عموماً ان کے کاندھوں پر
دوسری ذمہ داریاں بھی لادی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں ان اداروں میں صرف
پانسٹھ فیصدی ہندوستانی استاد ہیں اور باقیماندہ پردیسی ہیں
(۳) دینیات کے مدرسوں کی مالی حالت کے جائزہ سے معلوم ہوتا
ہے کہ ان کی آمدنی کے تین ذرائع ہیں:-

اول مشنوں کی گرانٹ

دوئم۔ وقف جائداد کی آمدنی

سوئم۔ فیس اور مقامی کلیساؤں کی امداد اور چندے وغیرہ

ان کا انحصار زیادہ تر مشنری سوسائٹیوں پر ہے جو مشنریوں کی تنخواہوں
کے علاوہ قریباً ۵۰ فیصدی نقد عطیہ جات دیتی ہیں۔ بہت کم ادارے
ایسے ہیں جن کے پاس نقد وقف یا جائداد کی شکل ہے۔ کل مدرسوں کی آمدنی
کا سولہ فیصدی حصہ وقف سے آتا ہے اور فیس اور مقامی چندے وغیرہ
سے صرف ۸ فیصدی ملتا ہے
(۴) ہندوستان اور لنکا کے دینیات کے مدرسوں کی تقسیم حسب ذیل

ہے:—

نام صوبہ و زبان	اداروں کی تعداد	امیدواران تقرر کی تعداد
بمبئی (مرہٹی اور گجراتی زبانیں)	۳	ام طلبا لیکن سب طلبا تقرر کے امیدوار نہیں ہیں
کرناٹک (کناری زبان)	۱	۴
کیرالا (ملیالم اور تامل زبانیں)	۱	۱۸
وسط ہند اور برار (ہندی اور مرہٹی زبانیں)	۳	۱۴
[illegible]: بنگال	۱	۲۰
گارو	۱	۷
اڑیہ	۱	۶
ہندی (ناگپوری اور منڈاری) سنتالی	۱	۱۵

نام صوبہ و زبان	اداروں کی تعداد	امیدواران تقرر کی تعداد
پنجاب اور یو-پی (اردو اور ہندی زبانیں)	۵	۵۳۰ لیکن سب طلبا تقرر کے امیدوار نہیں ہیں
مدراس اور حیدرآباد (تیلگو زبان)	۴	۶۴
مدراس اور ٹراونکور ریاست (تامل زبان)	۲	۲۷
آسام	۱	۱۰
لنکا	نامعلوم	نامعلوم

تعلیم و تربیت کا معیار کس طرح بلند ہو سکتا ہے؟ اور سال بسال اچھے نتائج کی امید کس طرح کی جا سکتی ہے؟

یہ ظاہر ہے کہ مشنوں اور کلیساؤں کی ایک بڑی تعداد نے ان باتوں کا فیصلہ نہیں کیا کہ ان کو کس قسم کے خادمان دین کی ضرورت ہے اور کہ ان کی تعلیم و تربیت کس طریقہ سے کی جائے۔ ان کا طریق عمل غیر متعین رہا ہے۔ بہت سی باتوں میں وہ کشمکش میں پڑے رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دینیات کی تعلیم کبھی تدبر کے ساتھ منظم نہیں کی گئی اور نہ اس کو اچھی طرح درست طریق پر چلایا گیا ہے۔ کسی ادارہ پر خرچ بہت کم کیا جاتا ہے کسی پر ضرورت سے بہت زیادہ خرچ کیا جاتا ہے۔ اگر ہندوستان کے ایک حصہ میں دو دو تین تین ادارے ہیں تو دوسرے حصوں میں ان کا نام بھی نہیں۔ بعض جگہوں میں کئی چھوٹے چھوٹے ادارے ہیں جن میں سے ہر ایک میں استادوں کی کمی ہے اور وہ ایک ہی نصاب کی تعلیم معدودے چند شخصوں کو ایک ہی زبان میں دے رہے ہیں۔

(الف) طلبا اور کام کا معیار

یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ ہمارے دینیات کے کالجوں اور مدرسوں کا کام تسلی بخش نہیں ہے۔ کالجوں کے استاد دیکھتے ہیں کہ ان کی جماعتوں کے بعض طالب علم انگریزی کی وجہ سے دینیات کا مطالعہ کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ مدرسوں کے استاد بھی یہی رونا روتے ہیں کہ ان کے طلبا اگرچہ لائق ہوتے ہیں ان کی شکایت صرف

طلبا کی علمی لیاقت تک ہی محدود نہیں ہوتی بلکہ وہ کہتے ہیں کہ طلبا بائبل مقدس کے مضامین تک سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ ایک کالج کے استاد نے تو یہاں تک کہا ہے کہ بہت سے طلبا جو بی۔ ڈی کی ڈگری حاصل کر لیتے ہیں کتاب مقدس کے علم سے معمولی واقفیت رکھتے ہیں۔ کالجوں میں تو پھر بھی طلبا کے داخلہ کے لئے معیار مقرر کیا جاتا ہے لیکن مدرسوں میں داخل ہونے کے لئے تو سرے سے کوئی معیار ہی نہیں ہوتا۔ ان کو وہی طلبا داخل کرنے پڑتے ہیں جو ان کو مل جاتے ہیں یا جن کو کلیسیائیں یا مشنیں بھیجتی ہیں۔ اگر کسی مدرسہ میں داخلہ کی کوئی شرائط ہیں تو وہ نہایت لچکدار ہوتی ہیں اور اس سے مدرسہ کے کام کا معیار گر جاتا ہے۔

دینیات کے متعدد مدرسے طلبا کو سرامپور کی ایل۔ ٹی۔ ایچ سند کے لئے تیار کرتے ہیں لیکن وہ اس کے ساتھ ایسے طلبا کو بھی پڑھاتے ہیں جو اس سند کے لئے مطالعہ نہیں کرتے۔ یہ جماعتیں مخلوط درجہ کی ہوتی ہیں۔ ان مدرسوں کا کورس عموماً تین سال کا ہوتا ہے اور دیسی زبانوں کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے۔ اس میں بڑی دقت یہ ہے کہ دیسی زبانوں میں دینیات کی کتابیں اس کثرت سے نہیں ہوتیں کہ طلبا خود ان کا مطالعہ جماعتوں کے باہر کر سکیں اور اپنے نصاب کے علاوہ دیگر کتابوں کو پڑھ کر اپنی رائے قائم کرنے کی اہلیت حاصل کر سکیں۔ ان مدرسوں کے استاد طلبا کو اپنے مطالعہ کے نتائج پر لیکچر دے کر نوٹ لکھوا دیتے ہیں اور طلبا ان کو بے سوچے سمجھے طوطے کی طرح رٹ لیتے ہیں۔ پس جب تک دیسی زبانوں میں دینیات کی کتابیں

موجود نہ ہوگی تب تک یہ بیچارے طلبا انگریزی سے بے بہرہ ہونے
کی وجہ سے علوم دینیات کی تخصیص سے محروم رہیں گے۔ اس مشکل
کا حل یہ ہے کہ دینیات کے مدرسوں میں داخلہ کے معیار کو بلند کیا
جائے تاکہ طلبا بہتر طور پر دینی علوم سے واقفیت حاصل کر سکیں
اس بات کے لئے یہ لازم ہے کہ طلبا بھیجنے والی کلیسیائیں اور مشنیں
دینیات کے مدرسوں کے ساتھ بہتر طور پر تعاون کر کے صرف قابل
طلبا کو بھیجیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسیحی کلیسیا کا اور بالخصوص
دیہاتی کلیسیاؤں کا علمی معیار موجودہ حالت سے کہیں بہتر ہونا چاہیے۔

موجودہ طریقہ کے مطابق کلیسیائیں طلبا کو دینیات کے
مدرسوں میں بھیجتی ہیں لیکن ان کے انتخاب میں حد درجہ کا اختلاف
ہوتا ہے۔ جو مدرسوں کے لئے نئی مشکلیں پیدا کر دیتا ہے۔ چند
بعض طلبا کو بتایا جاتا ہے کہ اگر ان کا کام تسلی بخش ہوا تو وہ خادم
دین کے عہدہ پر مامور کئے جائیں گے۔ لیکن بعض کلیسیائیں اپنے
طلبا کو اس قسم کی ضمانت دینے کے لئے تیار نہیں ہوتیں۔ جس کا
نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبا کو اپنے مستقبل کی طرف سے کوئی اطمینان نہیں
ہوتا اور وہ سکون خاطر سے مطالعہ نہیں کر سکتے۔ اس میں رتی بھر
شک نہیں کہ بہترین نتائج اسی حالت میں ہو سکتے ہیں جب طلبا کو
اپنی بلاہٹ کا احساس ہو اور کلیسیا اپنے طرز عمل سے اس بلاہٹ
کی تصدیق کرے اور یہ طلبا صرف ایسے اداروں میں داخل ہوں جو
خادمان دین کی تعلیم و تربیت کے لئے مخصوص ہوں۔

دینیات کے تمام ادارے طلبا کی روحانی تربیت کا بھی خیال

رکھتے ہیں اگرچہ ایسا کرنے میں وہ مختلف طریقے استعمال کرتے ہیں۔
دینی علوم حاصل کرنے والوں کے لئے یہ ایک بڑی آزمائش ہوتی ہے
کہ وہ زہد اور ریاضت کو اکثر کھو بیٹھتے ہیں اور بائبل مقدس کا
اپنے روحانی فائدے کے لئے مطالعہ نہیں کرتے۔ لیکن یہ ایک مسلمہ
امر ہے کہ دینی تعلیم و تربیت کے لئے یہ لازم ہے کہ شخصی بلاہٹ
کے احساس کی نشوونما کی جائے اور ذاتی روحانی تجربہ میں ترقی ہوتی
جائے۔ لیکن بعض دینیات کے مدرسے ایسے بھی ہیں جن میں گرجا
کی عبادت یا دعا کا کمرہ تک نہیں ہوتا اور جماعت کا روزانہ کام اس
قدر بڑھا دیا جاتا ہے کہ طلبا کو نہ تو جماعتی عبادت میں کے لئے وقت
ملتا ہے اور نہ وہ دلجمعی سے خلوت میں دعا و نماز کر سکتے ہیں۔

تقریباً ہر نصاب تعلیم میں عملی کام کو جگہ دی جاتی ہے بعض
ادارے پہلے ایک مدت تک اپنے طلبا کو پورا وقت پڑھا کر پھر ایک
مدت تک ان سے عملی کام کرواتے ہیں۔ بعض ادارے ایک ہی وقت
میں دونوں کام کرتے ہیں۔ بعض اوقات طلبا کے سپرد کوئی خاص کام
کیا جاتا ہے۔ مثلاً سنڈے سکولوں میں پڑھانا وغیرہ بعض اوقات
ادارے کے قریبی مقامات میں ان کو باقاعدہ منادی کرنے کے
لئے کہا جاتا ہے۔ عموماً کلیسیا بھی طلبا کے کام اور مدد کا خیر مقدم کرتی ہیں۔

امیدواران تقرری کی اکثریت شادی شدہ ہوتی ہے۔ پس
دینیات کے ادارے عموماً ان کے خاندانوں کی رہائش اور ان کی
بیویوں کی تعلیم کا انتظام کرتے ہیں لیکن امیدواروں کی بیویوں کی
تعلیم کا انتظام باقاعدہ اور بہتر پیمانہ پر ہونا چاہیے۔ بعض مدرسوں

کی جماعتوں میں بیویاں اپنے خاوندوں کے ساتھ باقاعدہ جماعتوں میں پڑھتی ہیں۔ ایک ایسے مدرسے میں ایک طالب علم کی بیوی نے سب سے زیادہ نمبر حاصل کئے تھے۔ کلیسیا کو اس قسم کی تربیت یافتہ مسیحی عورتوں کی اشد ضرورت ہے۔ ان کے داخلے کے لئے مدرسوں کے دروازے کھلے رہنے چاہئیں۔

(ب) عملہ اور اسباب و لوازم

اعداد و شمار کے نقشہ پر ایک سطحی نظر ڈالنے سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دینیات کے اداروں کے استادوں کی تعداد اچھی خاصی ہے لیکن جیسا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں یہ نتیجہ حقیقت سے کوسوں دور ہے۔ بالعموم استادوں کے ذمہ بہت کام دیا گیا ہے۔ گذشتہ باب میں ہم کلیسیا کی ضروریات پر بحث کر چکے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ان ضروریات کو پورا کرنا ان اداروں کے عملہ کے بس کا نہیں۔ دینیات کے مدرسوں کے اکثر استادوں کو بہت زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ دینیات کے اداروں کے استاد بھی دو دو تین تین مختلف کورس پڑھاتے ہیں اور اس کے علاوہ ان اداروں کے باہر ان کے ذمہ بھاری ذمہ داریاں کر دی گئی ہوتی ہیں۔ ان اداروں میں تھوڑا وقت پڑھانا ایک عام بات ہے اور یہ محض ایک اور مثال ہے جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ دینیات کی تعلیم کو کیسے سرسری طریقہ سے پڑھایا جاتا ہے ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ دیسی زبانوں میں الہیات کی مستند کتابوں کا قحط ہے اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ جو لوگ دیسی زبانوں میں دینیات کی تعلیم دیتے ہیں ان کو اتنا

وقت نہیں ملتا کہ وہ اپنے مضمون کا کما حقہٗ مطالعہ کر سکیں اور اگر وہ اپنے مضمون پر حاوی ہوتے بھی ہیں تو ان کو اتنی فرصت نہیں ملتی کہ وہ کتب لکھ سکیں۔ دینیات کے کالجوں کا عموماً یہ حال نہیں تاہم ایک کالج کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ :-

(۱) عملہ بمشکل تمام اپنے مضمون کی تازہ ترین کتب سے باخبر ہو سکتا ہے اور استادوں کو اتنی فرصت نہیں ملتی کہ وہ اپنے مضامین کی تحقیق و تدقیق کر سکیں۔

(۲) گذشتہ دس سالوں میں کالج کے استادوں نے انگریزی یا دیسی زبان میں کوئی دینیات کی کتاب نہیں لکھی اور نہ اخباروں میں ان کے کچھ مضامین چھپے ہیں۔

(۳) اگرچہ عملہ کے استادوں کو بیرون جات کی کلیسیائیں مدعو کرتی ہیں اور وہ جاتے بھی ہیں تاہم کالج کا کام اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ وہ باہر جا کر زیادہ لیکچر نہیں دے سکتے اور نہ دوسرے گرد کے مدرسوں کی امداد کر سکتے ہیں۔

(۴) درسی حلقوں کا کوئی انتظام نہیں ہے اور دینیات کے کام میں جماعت کے باہر استادوں اور شاگردوں میں کوئی میل جول نہیں ہے۔

بعض اوقات ان اداروں کے عملوں پر ایسے استاد بھی ہوتے ہیں جن کو خود کام کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ خادمانِ دین کی تعلیم و تربیت پر ایسے لوگوں کو متعین ہونا چاہئے جن کو خود عملی تجربہ ہو چکا ہو اور جو خدمتگذاری کی مشکلات اور کلیسیا کی ضروریات

وہ طلبوں سے کما حقہٗ واقف ہوں۔

بعض دینیات کے اداروں کی عمارتیں بہت اچھی ہیں لیکن اکثر اداروں کی عمارتیں بغیر کسی تفصیلی نقشہ کے وقتی ضروریات کے لیے بنائی گئی ہیں۔ تقریباً تمام اداروں کی عمارتوں میں ترقی کی گنجائش ہے۔ بالخصوص طلبا کے رہائشی مکانات اور عملہ کے مکان توجہ طلب ہیں۔

بد قسمتی سے چند تمام اداروں کے کتب خانوں کا برا حال ہے۔ بعض اداروں کے سالانہ بجٹ کی یہ حالت ہے کہ وہ اپنے کتب خانوں میں تازہ ترین تصنیفات کا اضافہ نہیں کر سکتے۔ اپنے طلبا کی نااہلی کے باعث وہ اس مد میں رقم خرچ کرنا بھی نہیں چاہتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبا اپنے مضمون سے کماحقہٗ واقفیت حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں بالخصوص عملہ کے ہندوستانی استاد اس قابل نہیں ہوتے کہ قیمتی کتابوں کو خرید سکیں۔ پس ان کی لیاقت محدود ہی رہ جاتی ہے۔

ان اداروں میں ہندوستانی استادوں کی تعداد نسبتاً بہت کم ہے اور ان کی لیاقت بھی بالعموم اعلیٰ پایہ کی نہیں ہوتی۔ قابل ہندوستانی جو دینیات کو پڑھانے کے فی الحقیقت اہل ہیں اس قدر کم ہیں کہ ان کو شاہانہ تنخواہوں پر ہو سکتا ہے۔ عملہ کے اکثر استادوں کی تنخواہ بھی نسبتاً بہت کم ہوتی ہے۔

آخری وجہ یہ ہے کہ دینیات کے اداروں کو قابل ہندوستانی استاد نہیں ملتے۔ کمیٹی کی رپورٹ اس کے تین سبب بتلاتی ہے۔

"پہلا سبب یہ ہے کہ مالی حالت قابل اطمینان نہیں ہوتی۔

ان کی تنخواہ کافی نہیں ہوتی۔ بالعموم مدرسوں میں پراویڈنٹ فنڈ اور پنشن کو کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ مشنری کے الاؤنس اور دیسیوں کے الاؤنس میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ عملہ کے ہندوستانی استادوں کو وہ مقام اور مرتبہ حاصل نہیں ہوتا جو ان کا حق ہے۔ ادارہ کی زندگی اور کام کے چلانے میں ان کا کوئی ہاتھ نہیں ہوتا۔ ایسا ہندوستانی استاد شاذ و نادر ہی ملتا ہے جو کہ دیسی مشنری کا اہم منصب ہو اور جس کے ہاتھ میں بھی ادارہ کے ضابطہ و زندگی کی باگ ڈور ہو اور جس کی حیثیت ایسی ہو کہ وہ مشنری کا شریک کار سمجھا جائے۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ ملازمت کی میعاد کی طرف سے کوئی اطمینان نہیں ہوتا کہ وہ کب ختم کر دی جائے گی۔ ہندوستانی استاد کو مختصر سی مدت کے نوٹس پر برطرف کر دیا جا سکتا ہے یا اس کی تبدیلی کی جاتی ہے لہٰذا اس کو سکون خاطر حاصل نہیں ہوتا۔"

ہمیں ہندوستانی استادوں کی حیثیت کا مسئلہ توجہ طلب ہے۔ جب مشنریوں کی دینیات کے مدرسوں میں تبدیلی کی جاتی ہے تو ان کی مشنری سوسائٹی ان کے پہلے الاؤنس اور تنخواہیں جاری رکھتی ہے۔ لیکن ہندوستانیوں کو یہ ادارے خود مقرر کرتے ہیں اور اپنے بجٹ کی تنگی کے باعث ان کو بہت کم تنخواہیں دیتے ہیں۔ دینیات کے بہت کم ادارے ایسے ہیں جو اپنے ہندوستانی استادوں کو وہ تنخواہیں دے سکتے ہیں۔ جو دیگر مشن کالج دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ کالج مشن

گریجوئٹ کے علاوہ سرکاری گرانٹ اور فیس بھی دیتے ہیں۔ بہرحال دینیات کے ہندوستانی عملہ کی تنخواہ اور الاونس کا سوال نہایت اہم ہے۔ اور اگر کلیسیا چاہتی ہے کہ دینیات کے بہترین استاد بہم پہنچ سکیں تو اسے لازمی طور پر اس سوال کو حل کرنا ہوگا۔

فصل چہارم

دنیوی اور دینی تعلیم کا تعلق

سطور بالا میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ دینیات کے اداروں میں امیدوارانِ تقرر کا علمی معیار عموماً بلند نہیں ہوتا۔ اس سوال کے دو پہلو قابلِ غور ہیں:

(الف) ان اداروں میں داخل ہونے سے پہلے امیدوارانِ تقرر کے پاس کیا علمی سند ہونی چاہیے؟

(ب) ان سندوں کے علاوہ ان کی ذہنی تربیت اور ترقی کا معیار کیا ہونا چاہیے تاکہ وہ دینیات کی تعلیم سے پورا فائدہ اٹھا سکیں؟

الف: دینیات کے اداروں میں داخلہ کا معیار

دینیات کے مدرسوں میں جن طلبا کو دیسی زبانوں میں تعلیم دی جاتی ہے۔ ان کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ انگریزی لکھ پڑھ سکیں ورنہ اس زبان

سے ناواقف ہونے کی وجہ سے وہ علم دینیات کے اس خزانہ سے محروم رہ جائیں گے جو انگریزی زبان میں موجود ہے۔ پس لازم ہے کہ مدرسہ دینیات میں داخل ہونے والے طلبا کم از کم میٹرکیولیشن پاس ہوں۔ دورِ حاضر میں ایسے طلبا کی تعداد بہت ہی کم ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ ان طلبا کا علمی معیار ضرور بلند ہونا چاہئے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے واجب ہے کہ کلیسیائیں کوشش کر کے ایسے نوجوانوں کو انگریزی تعلیم ضرور دلائیں جن کو وہ دینیات کے مدرسہ میں بھیجنے کے قابل سمجھتی ہیں۔ بعض امیدواران تقرر کی مالی حالت ایسی خراب ہوتی ہے کہ وہ ہائی سکولوں کے اخراجات کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ایسے طلبا کو شادی کی ٹریننگ دلوائی جائے تاکہ وہ اس زمانہ میں انگریزی زبان کو بھی سیکھ سکیں اور اردو میں دینیات کی کتابوں کو پڑھنے کے قابل ہو سکیں۔ تجربہ ثابت کرتا ہے کہ یہ طریق عمل نہایت کارگر ہے۔

دینیات کے اداروں کو بھی اب امیدواران تقرر کے داخلہ کا معیار بلند کرتے رہنا چاہئے۔ کیونکہ اب ہندوستان کی کلیسیا میں بھی تعلیمی معیار روز بروز اونچا ہوتا جائے گا۔ بعض مقامات میں تو اب بھی میٹرکیولیشن کی سند کو داخلہ کی شرط قرار دے سکتے ہیں لیکن دیگر مقامات میں یہ ممکن نہیں ہے۔ اندریں حالات اداروں کو چاہئے کہ طلبا کے کورس میں ایک سال بڑھا دیں اور اس مدت میں وہ ان طلبا کو انگریزی کی تعلیم دیں اور ساتھ ہی بائبل مقدس کے متن کا مطالعہ کرائیں کیونکہ طلبا عموماً ان سے ناواقف ہوتے ہیں۔ انگریزی

پڑھانے کا مقصد یہ نہیں ہونا چاہئے کہ طلبا اس زبان میں اپنے
خیالات کا اچھی طرح اظہار کر سکیں۔ کیونکہ یہ مقصد تو صرف ان کی اردو
زبان ہی پورا کر سکتی ہے بلکہ انگریزی پڑھنے کا مقصد یہ ہونا چاہئے
کہ انگریزی دینیات کی عام کتابوں کو وہ پڑھ کر سمجھ سکیں۔ اگر یہ طریق عمل
اختیار کیا جائے تو طلبا کو ان کتابوں کے پڑھنے کی مشق ہو جائے گی۔ اور
ساتھ ہی ان کا شوق بھی بڑھتا جائے گا۔

دینیات کے کالجوں کے لئے میٹرکولیشن کی سند نہایت ناکافی ہے
کیونکہ ان کالجوں میں تعلیم کا ذریعہ انگریزی ہوتا ہے۔ عموماً یہ کالج داخلہ
کے لئے کوئی نہ کوئی آزمائشی امتحان رکھ لیتے ہیں اور اس طرح نالائق طلبا
ان میں کم داخل ہونے پاتے ہیں تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کالجوں
میں بعض ایسے طلبا موجود ہیں جن کو کالجوں کی بجائے دینیات کے مدرسوں
میں پڑھنا چاہئے تھا۔ چونکہ تعلیم انگریزی زبان میں دی جاتی ہے اور یہ
طلبا انگریزی سے اچھی طرح واقف نہیں ہوتے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے
کہ دینیات کے کالجوں کا معیار گر جاتا ہے۔ پس کالجوں کو صرف ایسے
طلبا داخل کرنے چاہئیں جو کم از کم ایف اے پاس ہوں یا اس سند کے برابر
کی لیاقت رکھتے ہوں۔ کلیسیاؤں کو لازم ہے کہ کالجوں میں صرف ایسے امید
واران تقرر بھیجا کریں جو وہاں کی تعلیم سے پوری طرح استفادہ حاصل کر سکیں۔

(ب) طلبا کی ذہنی تربیت اور ترقی

امیدواران تقرر کے لئے پہلی اور مقدم صلاحیت کی شرط یہ ہے کہ
ان کو خدا کا ذاتی زندہ تجربہ حاصل ہو اور مسیحی خدمت کی بلاہٹ کا

احساس ان کی زندگی میں ایسا نمایاں ہو کہ کلیسیا بھی اس بلاہٹ کو دیکھے
اور تصدیق کئے بغیر نہ رہ سکے۔ خادم الدین کلیسیا کی دینی تعلیم پر مقرر کیا
جاتا ہے۔ وہ کلیسیا کی عبادت کرانے اور ساکرامنٹوں کو ادا کرنے کا حق رکھتا
ہے۔ وہ جماعت کا چوپان ہوتا ہے اور کلیسیا کے امور کو خدا داد عقل کے
مطابق سرانجام دیتا ہے۔ وہ کلیسیا کا پیشوا ہوتا ہے تاکہ انجیل جلیل کی
بشارت اور دیگر فرائض کو پورا کرنے کے لئے کلیسیا میں احساس اور بیداری کا
پیدا کرے تو وہ جماعت کے لئے کلیسیائے جامع کی جامعیت کا نمائندہ
ہوتا ہے۔ ایسے عظیم الشان کام کے لئے اعلیٰ ترین قابلیت اور بہترین
تقویٰ کی ضرورت ہے۔ پس ہمیں ایسے امیدواران تقرر کو تلاش کر
کے دینیات کے اداروں میں بھیجنا چاہئے جو ان کاموں کو بطرز احسن
سرانجام دینے کے اہل ہوں۔ لیکن یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے
کہ ہندوستانی کلیسیا میں اعلیٰ ترین قابلیت کے خادمان دین خال
خال ہی نظر آتے ہیں۔ طرفہ ماجرا یہ ہے کہ دیگر شغلوں میں ایسے لوگوں کی
کمی نہیں۔ لیکن دینیات کے طلبا میں نہ صرف علم کی کمی ہوتی ہے بلکہ
ان کی ذہنی تربیت کا معیار بھی بہت گرا ہوا ہوتا ہے۔ نیشنل کرسچن
کونسل کی دینیات کی کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ "دینیات کے طلبا
کی اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کے ذہنوں نے ترقی نہیں کی۔ اور
جن کی عقلی تربیت نہ پانے کی وجہ سے ہنوز حالت طفلی میں ہے۔ اس
کے خیال میں اس افسوسناک صورت حال کے چار سبب ہیں۔ اول
طلبا کورس کے باہر کی چیزوں میں دلچسپی نہیں لیتے۔ دوم۔ وہ
کورس کے مضامین کو طوطے کی طرح رٹ لیتے ہیں اور حفظ کردہ سبق

کو نا دیتے ہیں۔ سوم وہ اس پر قناعت کرتے ہیں اور دینی مسائل پر خود آزادانہ رائے قائم کرنے کے لئے غور و فکر کرنے کے عادی نہیں ہوتے چہارم۔ وہ اس بات کے اہل نہیں ہوتے کہ کسی سوال کو جانچ سکیں اور اس کے مخالف اور موافق پہلوؤں پر غور کر کے ان کی شہادت پر بحث کر سکیں۔ کمیٹی کے خیال میں یہ کمزوریاں گریجوایٹ طلبا میں بھی پائی جاتی ہیں بلکہ دینیات کے اداروں کے استاد تو یہاں تک کہتے ہیں۔ کہ گریجوایٹ طلبا کی اکثریت کے ذہن عالمِ جمود میں ہوتے ہیں۔ جن میں کوئی لچک نہیں ہوتی اور ان کی ذہنی گردگی ان کو دینی تعلیم حاصل کرنے کے ناقابل بنا دیتی ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ صورت حال دینیات کے طلبا ہی سے مخصوص نہیں۔ بلکہ یہ ایک عام وبا ہے۔ جو ہر جگہ طلبا میں پائی جاتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم کو ہر ممکن کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ دینیات کے اداروں میں صرف ایسے طلبا کو ہی بھیجا جائے جن کے پاس نہ صرف اعلیٰ درجہ کی ذہنی لیاقت ہو بلکہ وہ اس لیاقت کا روزانہ استعمال کر سکیں اپنے ذہنوں کی تربیت کرنے کے بھی اہل ہوں پس کلیساؤں کو لازم ہے کہ وہ ایسے امیدواران تقرر کو دینیات کے اداروں میں بھیجیں جو خود مطالعہ کرنے کے اہل ہوں اور اپنے ذہنوں کو تربیت دینے کے عادی ہوں۔ اور اگر کلیساؤں کو اس قسم کے طلبا مل جائیں اور وہ گریجوایٹ نہ ہوں تو چاہیئے کہ کلیسائیں ان کو ایسا تعلیمی کورس ختم کرنے میں مدد دیں تاکہ دینیات کے کالجوں میں داخل ہونے سے پہلے ان کو ایسے موقعے مل جائیں جن سے وہ بعد کو دینیات

کی تعلیم سے پورا فائدہ حاصل کر سکیں۔ بعض اوقات کمیٹیوں میں اس بات پر بحث کی جاتی ہے کہ امیدواران تقرر کو دینیات کے اداروں میں دنیوی اور دینی علوم دونوں کی تعلیم دینی چاہیئے۔ رومی کلیسیا اسی طریق پر عمل کرتی ہے اور اپنے کورس میں دنیوی اور دینی تعلیم دونوں کو اس طور پر یکجا کر دیتی ہے جس سے پریسٹ زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکیں۔

ممکن ہے کہ زمانہ مستقبل میں ہندوستان کی کلیسیا کو بھی یہی طریقہ کار اختیار کرنا پڑے لیکن موجودہ حالات میں ان کو محض اس قدر کافی ہے کہ وہ دینیات کی تعلیم بھی اچھی طرح نہیں دے سکتے۔ جب تک مشن سکول اور کالج موجود ہیں ہمیں ان سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ امیدواران تقرر کی تعلیم و تربیت میں مشن سکول اور کالج اور دینیات کے ادارے دونوں اشتراک عمل کر سکتے ہیں۔

باب پنجم

امیدواران تقرر کا بہم پہنچانا

دینیات کی تعلیم کے کسی پہلو پر غالباً اس قدر بحث نہیں ہوتی

جتنی امیدواران تقرر کے بہم پہنچانے پر ہوتی ہے اور یہ ایک امید افزا نشان ہے کیونکہ اگر کلیسیاؤں و جماعتوں سے یہ دعا کرے کہ خدا اس کے درمیان رسولوں، نبیوں، مبشروں اور پاسٹروں کا سلسلہ جاری کر دے تو کلیسیا میں ایسے روحانی حالات نمودار ہو جائیں گے جو نوجوانوں کو اکسا کر اس بات پر آمادہ کریں گے کہ "خدمتگذاری کا کام کیا جائے اور مسیح کا بدن ترقی پائے (افسی ۴: ۱۲)۔ اس امر میں بنیادی اصول یہی ہونا چاہئے کہ خدا خود کسی شخص کو اس سب کام کے لئے بلاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بلاوہ کسی قانون اور قاعدہ کے ماتحت نہیں ہوتا۔ لیکن یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ خدا انسانی وسائل کے ذریعہ اپنا کام کرتا ہے۔ پس لازم ہے کہ ہم ان انسانی حالات پر غور کریں تاکہ ہم معلوم کر سکیں کہ کلیسیا کی زندگی اور اس کے طریق عمل میں کیا باتیں ہیں جو قابل اشخاص کی ایک بڑی تعداد کو "خدمتگذاری" کے کام سے روکتی ہیں؟

فصل اوّل

مسیحی خدمتگذاری کی راہ میں رکاوٹیں

(الف) دور حاضر کی مسیحی سوسائٹی میں بعض ایسے حالات ہیں جو سدِّ راہ ہیں۔ سطور بالا میں ذکر کیا گیا ہے کہ دور حاضر کے نوجوانوں کی توجہ

سماجی اور مالی اصلاح کی طرف مائل ہے۔ یہ صورت حالات مغربی اور مشرقی ممالک دونوں میں دکھائی دیتی ہے۔ ہندوستان کے قابل ترین سپوت مختلف یونیورسٹیوں میں سائنس کے کورس کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ ان کا خیال ہے کہ سائنس کا مطالعہ ان کو ملک کی مالی اور مادی ترقی کے مقصد کو سرانجام دینے میں مدد دے گا۔ ہندوستانی مسیحی طلبا میں قابل شخصوں کی کمی ہے۔ لیکن غیر مسیحی طلبا کی طرح ان کی آنکھیں بھی ملک کی مادی اور مالی اصلاح پر لگی ہوتی ہیں۔ وہ بھی یہ چاہتے ہیں کہ سائنس کا علم اور ٹیکنیکل تعلیم حاصل کر لیں تاکہ وہ ترقی کی دوڑ میں پیچھے نہ رہ جائیں۔ اگرچہ یہ ایک خواہش قدرتی ہے تاہم اس کا اثر مسیحی خدمتگذاری پر بہت پڑتا ہے۔ کیونکہ اس میں یہ خدشہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ملک کی مالی ضروریات کو مقدم اور کلیسیائی خدمت کو موخر سمجھا جائے۔ چنانچہ یہ عام مشاہدہ کی بات ہے کہ جن لوگوں کو ہم کامیابی پیشوائی کے قابل سمجھتے ہیں ان کے خواب و خیال میں بھی یہ نہیں آتا کہ تقرر کے امیدوار ہوں۔ اور اگر یہ خیال کبھی بھولا بھٹکا ان کے نزدیک پہنچ بھی جاتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ خادم الدین کا کام محدود بیکار، فضول اور ناروا حاصل ہوتا ہے اور دیگر پیشوں میں جا کر وہ اس سے زیادہ روپیہ کما سکتے ہیں اور یوں کلیسیا اور مسیحی جماعت کی خدمت کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ فراموش کر دیا جاتا ہے کہ بعض پیشے ایسے بھی ہیں جن میں جس قدر ایثار سے کام لیا جائے اسی قدر وہ زیادہ معزز بنتے اور عزت دار ہوتے ہیں۔ مسیحی خدا کی طرف سے کسی خاص پیشہ کے لئے بلایا جاتا ہے۔ اور مسیحی بلاوے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ انسان خود ہی پیشہ اختیار

کرتا ہے جس کو وہ ذاتی طور پر انتخاب رچاہتا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو صرف وہی پیشہ اختیار کرنا چاہیئے جو خدا کی مرضی کے مطابق ہے اور جس کی طرف خدا اس کو بلاتا ہے خواہ اس کے اختیار کرنے میں اس کو قربانی کرنی پڑے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مسیحی طلبا کو مغربی ممالک کے طلبا کی طرح عقلی مشکلات مسیحی خدمت گذاری کے کام سے باز نہیں رکھتیں۔ چند سال ہوئے اندور کرسچن کالج کے پروفیسر شیلی ہندوستان کے مشن کالجوں کے مسیحی طلبا کے مذہبی خیالات کا جائزہ لے کر حسب ذیل نتیجوں پر پہنچے تھے:-

(۱) ہمارے طلبا کا تصور زندگی غیر مذہبی نہیں ہے۔ اور نہ وہ ہندوانہ خیالات سے متاثر ہیں۔ بلکہ ان کا تصور زندگی مسیحیانہ ہے۔

(۲) کالج کی تعلیم کے دوران میں مسیحی طلبا کے مذہبی خیالات میں فرق نہیں پڑتا۔ بی اے یا ایف اے جماعت میں جا کر ان کے ذہن زیادہ وسیع ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان کی راسخ الاعتقادی پر اثر نہیں پڑتا۔

(۳) ہندوستان کے مختلف حصوں، صوبوں اور طبقوں اور فرقوں کے مسیحی طلبا ایمان اور اخلاق کے ضروری معاملات میں ہم خیال ہیں۔ بالعموم تعمیر کے لحاظ سے ان کے خیالات اصلاحی قسم کے ہیں اور مذہبیت وہ راسخ الاعتقاد ہیں۔

(۴) کالجوں کے مسیحی طلبا گناہ، توبہ اور نجات پر زور دیتے ہیں۔ لیکن وہ مسیح کی ذات اور کام کو وہ ابھی وقعت نہیں دیتے اور خدا کی شخصیت، اور روح القدس کی شخصیت کے عقائد کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے۔

(۵) وہ کلیسیا کی ضروریات کو محسوس کرتے ہیں اور اس تصور کو رد کرتے ہیں کہ کلیسیا محض سرمایہ داروں کی آلہ کار ہے۔ وہ اس بات کو بھی مانتے

کو تسلیم نہیں کرتے کہ طلبا کو سماجی اصلاح کلیسیا کے باہر کسی انقلابی جماعت کے ذریعہ کرنی چاہیئے۔

(۶) وہ ایسے پاسٹروں کے حامی ہیں جن کے خیال اصلاحی ہوں۔ جو راسخ الاعتقاد ہوں۔ جن کی زندگی بے لاگ ہو۔ جن کی تعلیم ولایت سے نکلتی ہو جو غربا اور حاجتمندوں میں کام کرتے ہوں اور جو ہر دلعزیزی کی طرف سے بے نیاز ہوں۔

اگر ڈاکٹر شیلی کے مندرجہ بالا نتائج صحیح ہیں اور ہمیں ان کو درست ماننے میں تامل نہیں ہے تو یہ ظاہر ہے کہ طلبا کی راہ میں عقلی مشکلات حائل نہیں کہ وہ ان کو خدمتگذاری کے کام سے باز رکھتی ہوں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اعلیٰ درجہ کی قابلیت کے طلبا زیادہ تعداد میں تقرر کے لئے اپنے آپ کو پیش نہیں کرتے؟ ہمارے خیال میں طلبا کے خانگی حالات اور دنیوی ترقی کی خواہش دو عوامل کو نوجوانوں کو خدمتگذاری کے کام سے روکتی ہیں۔ ہندوستانی مسیحی جماعت ایک غریب جماعت ہے اور یہ افلاس دو طریقوں سے خدمتگذاری کے کام میں سد راہ ہے۔ ایک طرف تو کلیسیا کی مالی حالت ایسی اچھی نہیں کہ وہ اپنے خادمان دین کو مناسب اور معقول تنخواہیں دے سکے اور امیدوار اپنے تقرر سے یہ جانتے ہیں کہ وہ ساری عمر اپنے اور اپنے خاندانوں کے گذارے اور نان و نفقہ کے لئے پریشانیوں میں مبتلا رہینگے۔ دوسری طرف ان کے خاندانوں کے ممبروں کی ذمہ داریاں بھاری ہوتی ہیں۔ عموماً والدین جو اپنے بیٹوں کی تعلیم پر ایک کثیر رقم خرچ کرتے ہیں وہ یہ امید بھی رکھتے ہیں کہ ان کے بیٹے خاندان کی ضرورت کے وقت ان کے کام آئینگے۔

اس وجہ سے بہترین قابلیت اور روحانی بصیرت رکھنے والے اشخاص جو عموماً فرض شناس بھی ہوتے ہیں اپنے خاندان کے [illegible] کی پرورش اور تعلیم و تربیت کی خاطر خدمتگزاری کا کام نہیں اٹھاتے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ دنیوی دولت اور منصب جاہ کی ہوس بھی مسیحیوں کو یہ کام اٹھانے میں مانع ہوتی ہے۔ کیونکہ بعض والدین کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچے اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز ہوں۔ اور بچے بھی اپنے والدین کے ہم آواز ہو جاتے ہیں اور مسیحی خدمتگزاری کے کام کو (جس میں پیسے کی امید نہیں ہوتی) اپنی شان کے شایاں نہیں سمجھتے۔ لیکن کلیسیا میں ایسے ایماندار والدین بھی ہیں جو اس پاک عہدے کو اعلےٰ ترین عزت کا عہدہ سمجھ کر اس بات کے مشتاق ہوتے ہیں کہ ان کے بیٹے خادم الدین کے عہدے پر مامور ہوں۔ چنانچہ بعض والدین ولادت کے وقت ہی سے اپنے بچوں کو خدا کی نذر کر دیتے ہیں اور ان کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ بڑے ہو کر وہ خدمتگزاری کا کام کریں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جب کلیسیا خدا کی روح کی آواز سنتی ہے اور جب بچوں کی ایسے خاندانوں میں پرورش اور تربیت ہوتی ہے جن میں خدا کو حقیقی عزت دی جاتی ہے۔ اور جب کسی جماعت کو یہ احساس ہو جاتا ہے کہ اس کی زندگی کا مقصد دنیوی کامیابی نہیں بلکہ کلیسیا کی خدمت ہے اور جب اس مستعار زندگی کو خدا کی امانت سمجھا جاتا ہے تب روح القدس کے لئے راہ تیار ہو جاتی ہے۔ اور وہ کلام مقدس کے ذریعہ اور نیک لوگوں کی زندگی کے ذریعہ اپنے چیدہ لوگوں کو بلاتا ہے۔ اور ایک ایک کو اپنی خدمت کیلئے بھیجتا ہے۔ یقیناً جہاں گھرانہ

خاندان کی فضا غیر مذہبی ہوتی ہے اور جہاں مسیحی ایمان کا اثر اعمال پر نہیں ہوتا جہاں لوگ دولت و ثروت کو خدمت پر ترجیح دیتے ہیں جہاں مسیحی خدمتگزاری کا کام دوسرے پیشوں کی طرح محض ایک پیشہ سمجھا جاتا ہے وہاں خدا کی روح کی راہ میں رکاوٹیں حائل ہو جاتی ہیں۔ خدا کا کلام بے تاثیر رہ جاتا ہے اور لوگ رویا دیکھنے کے قابل نہیں رہتے۔

(ب) کلیسیا کے نظام اور زندگی میں بھی بعض رکاوٹیں خدمتگزاری کے کام میں حائل ہیں۔ اگرچہ جو شخص اپنے بلاوے کو محسوس کرتا ہے ایسی رکاوٹوں کی پرواہ نہیں کرتا کیونکہ وہ اپنی دھن کا پکا ہوتا ہے۔ تاہم کلیسیا کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسے حالات کو اپنے نظام کے اندر سے دور کرے جو مسیحی خدمتگزاری کی راہ میں ٹھوکر کا باعث ہیں۔ یہ رکاوٹیں تین قسم کی ہیں:-

(۱) وہ جن کا تعلق خادم دین کی حیثیت کے ساتھ ہے (۲) وہ جن کا تعلق اس کے معاوضہ کے ساتھ ہے۔ (۳) وہ جن کا تعلق اسکے کام کے ساتھ ہے۔

(۱) اول قسم کی رکاوٹوں کا تعلق خادم دین کی حیثیت کے ساتھ ہے۔
ہندوستان کی ہر جہت سے یہی شکایت آ رہی ہے کہ خادم دین کے عہدہ اور کام کی واجبی عزت اور حرمت نہیں کی جاتی۔ شامی کلیسیائیں خادم دین کے عہدے کی اب بھی عزت کرتی ہیں اور بعض دیگر مقامات میں بھی خادم دین کو وقعت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ لیکن بالعموم شہری کلیسیائیں اور تعلیم یافتہ طبقوں میں خادم دین کی بڑی گت ہوتی ہے۔ چرچ کمیٹیوں کے ممبر اس کو مرعوب رکھتے ہیں اور بعض اوقات اس سے

گستاخی سے پیش آتے ہیں۔ بعض مقامات میں خود مختاری کے جذبہ
کے خلاف ایک عام لہر چل گئی ہے جس نے کلیسیا کی روحانی زندگی کا
ستیاناس کر دیا ہے۔ ایسی باتیں نوجوان تعلیم یافتہ قابل خوددار لوگوں کو تقرر
سے باز رکھتی ہیں پس ہمیں ان کی طرف سے بے اعتنائی اختیار نہیں کرنی
چاہیئے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ان حالات کی ذمہ داری کا بوجھ تمام مشنری
مسیحی جماعتوں کے کندھوں پر نہیں رکھا جا سکتا۔ کیونکہ اکثر اوقات خادمانِ
دین بھی یہ کوشش کرتے ہیں کہ وہ اپنی جماعتوں پر حکومت چلائیں
اور بعض اوقات وہ خوشامد پر اس طرح اتر آتے ہیں گویا وہ جماعت
کے کسی خاص گروہ کے نوکر ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ خدا کی تمام
کلیسیا میں خدا کے خادم ہیں۔ ان باتوں کا چرچا عام طور پر تعلیم یافتہ
طبقہ میں ہوتا رہتا ہے اور اسی طبقہ ہی سے امیدوارانِ تقرر کو
آنا چاہیئے اور یہ باتیں ان کی راہ میں حائل ہو جاتی ہیں۔

خادمِ دین کی حیثیت کے موضوع پر ایک اور مشکل کا ذکر کرنا
ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ہندوستانی خادمِ دین کا مشنری سوسائٹی کے
ساتھ کیا تعلق ہے؟ ایک رقبہ کی رپورٹ بتلاتی ہے کہ "مشن ایسے کارندوں
کو ترجیح دیتی ہے جو حلیم اور منکسر المزاج ہوتے ہیں خواہ وہ نالائق
ہی کیوں نہ ہوں"۔ معلوم نہیں کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے لیکن
اس میں کچھ شک نہیں کہ تعلیم یافتہ طبقہ یہی خیال کرتا ہے۔ یہاں یہ بتلا دینا
بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اکثر کارندے مشن کی ملازمت سے تبدیل ہو
کر کلیسیا کی ملازمت میں آنا پسند نہیں کرتے۔ بعض مشنوں نے ہندوستانی
مشنری مقرر کرنے کا طریقِ عمل اختیار کر رکھا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے

کہ اعلیٰ ترین اشخاص کلیسیاؤں کے پاسٹر نہیں بنتے۔ لیکن ساتھ ہی
ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جہاں مشنوں نے اس طریقِ عمل کو اختیار نہیں کیا
اور قابل ترین اشخاص کو کلیسیاؤں کا پاسٹر بنایا گیا ہے وہاں ان کی پیشوائی
کے نتائج بہت تسلی بخش ثابت نہیں ہوئے اور مشنری کہتے ہیں کہ اگر ان کو
مشنوں میں لے لیا جاتا تو وہ کلیسیا کی بہتر طور پر پیشوائی کر سکتے۔

پردیسی مشنری اور دیسی خادمِ دین کی حیثیت اور رتبہ میں بڑا فرق
ہوتا ہے۔ اور یہ فرق بعض لوگوں کی راہ میں رکاوٹ کا باعث ہو جاتا ہے۔
مشنری کو خاص مراعات حاصل ہیں جو دیسی خادمِ دین کو حاصل نہیں
ہوتیں۔ بعض مقامات میں پردیسی مشنری کلیسیا کے ضابطہ کے ماتحت
نہیں ہوتا۔ اس کی سپردگی میں ایسے فنڈ ہوتے ہیں جن کو وہ اپنی مرضی کے
مطابق خرچ کر سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان باتوں کی وجہ سے ہندوستانی
خادمِ دین کی حیثیت غلامانہ ہو جاتی ہے۔ یہ بات تعلیم یافتہ خوددار طبقہ
کی نظر میں ناپسند ہے اور اس کو خود مختاری کے کام سے روکتی ہے۔
مشنری سوسائٹیوں کو لازم ہے کہ وہ ان امور کو اس زاویہ نگاہ سے
دیکھیں اور اپنے طریقِ عمل کی نظرِ ثانی کر کے ایسی باتوں کو دور کر دیں
جو ہندوستانی طبقہ کے لئے ٹھوکر کا باعث ہیں۔

(۴) بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ میں سے لوگ تقرر
کے لئے اپنے آپ کو اس واسطے پیش نہیں کرتے کیونکہ ان کو بہت
کم معاوضہ دیا جاتا ہے۔ خدا کبھی وہ دن نہ دکھائے جب خود مختاری
کا معاوضہ زر ہی صلہ ہو لیکن ہندوستانی کلیسیا کی مالی حالت اس قدر
نازک ہے کہ وہ بمشکل اپنے خادمانِ دین کو گزارہ کے لائق معاوضہ

دے سکتی ہے۔ سکولوں اور کالجوں کے استادوں کی مالی حالت خادمانِ دین کی مالی حالت سے بدرجہا بہتر ہوتی ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ تعلیم یافتہ طبقہ کی خانگی ذمہ داریاں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ مسیحی خدمت کا کام اٹھانے سے ہچکچاتے ہیں۔ لیکن جو شخص اپنے بلاوے کو محسوس کرتا ہے اُس کے لئے اس قسم کی مشکلات کبھی سدِ راہ نہیں ہوئیں۔ تاہم مناسب ہے کہ مسیحی خدمتگذاری کے لئے واجبی معاوضہ دیا جائے جو کفایت کر سکے۔ اور موجودہ تنخواہوں میں اضافہ کر دیا جائے تاکہ خادمِ دین پیٹ کے دھندوں سے چھٹکارا پاکر اپنا کام سکونِ خاطر اور خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکے۔

اس جگہ سیلف سپورٹ کا سوال اٹھتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ سیلف سپورٹ کلیسیا کا نصب العین ہونا چاہئے۔ اکثر مشن اور کلیسیائیں اس پر اتفاق کرتی ہیں کہ خادمانِ دین کو سیلف سپورٹڈ ہونا چاہئے۔ لیکن سیلف سپورٹ کے معنے اور سیلف سپورٹ کے طریقوں میں شدید اختلاف ہے۔ بعض کلیسیائیں کہتی ہیں کہ دیسی خادمانِ دین کو مشن کے فنڈوں سے آزاد ہونا چاہئے۔ اس سوال پر تامبرم کی انٹرنیشنل مشنری کونسل نے کلیسیا کے عام خیال کا یوں اظہار کیا ہے:—

"دیسی کلیسیاؤں کے لئے لازم ہے کہ ان میں اعلیٰ ترین خادمانِ دین ہوں۔ لیکن یہ کلیسیائیں اس قابل نہیں کہ وہ بیرونی امداد کے بغیر ایسا کر سکیں۔ پس یہ مناسب ہے کہ مشن اور کلیسیائیں مل کر اس بوجھ کو اٹھائیں۔ اور کلیسیائیں اپنے خادمانِ دین کی تعلیم و تربیت کے لئے ذیل کی شرائط پر مشنوں سے مدد حاصل کریں:—

(۱) کلیسیاؤں کے سامنے مکمل سیلف سپورٹ کا نصب العین ہمیشہ

رکھا جائے۔

(۲) زر کی امداد کسی خاص خادمِ دین یا کلیسیا کو نہ دی جائے بلکہ صرف دیسی کلیسیا کے مرکزی فنڈ کو یہ امداد دی جائے۔

(۳) زر کی امداد سے دیسی کلیسیا کو کسی طرح قید نہ کیا جائے۔"

اس بیان میں مرکزی فنڈ ایک لازمی بات قرار دی گئی ہے۔ خادمانِ دین کے گزارے کے لئے اس قسم کے مرکزی فنڈ کا گہرا تعلق ہے۔ شہری اور دیہاتی کلیسیاؤں کی آمدنی میں بیّن فرق ہے بلکہ مختلف دیہات کی کلیسیاؤں کی آمدنیوں میں بھی بڑا فرق ہے اور اگر شہری خادمانِ دین کو اسی لحاظ سے معاوضہ دیا جائے گا تو ان کی آمدنی میں اور دیہاتی پاسٹروں کی آمدنی میں نمایاں فرق ہوگا۔

مرکزی فنڈ کا یہ فائدہ ہے کہ خادمانِ دین کو جو تنخواہ ملے گی وہ اس مقام کے مطابق ہوگی جہاں وہ کام کرتا ہے۔ اس کی آمدنی کا انحصار کسی خاص جماعت پر نہیں ہوگا جس کے درمیان وہ خدمت کرتا ہے۔ اس کو تنخواہ تمام کلیسیا کی طرف سے ملیگی۔ یہ مرکزی فنڈ اس بنا پر قائم ہوگا کہ دولتمندوں کو ناداروں کی مدد کرنی چاہئے۔ اس فنڈ کا یہ فائدہ بھی ہوگا کہ ایک ہی رقبہ میں کام کرنے والے خادمانِ دین کی تنخواہوں میں نمایاں فرق نہیں ہوگا اور ایک ایسا مرکزی فنڈ موجود ہوگا جس کے ذریعہ مختلف مشنیں دیسی خادمانِ دین کے گزارے میں امداد بھی دے سکتی ہیں۔ اب ہندوستان کی کلیسیاؤں کے طریقِ عمل کا رجحان بھی ایک مرکزی فنڈ کی طرف ہے لیکن اس کے ساتھ کلیسیاؤں کو ہمیشہ لگاتار کوشش کرنی چاہئے کہ وہ مسیحی مختاری کے

نصب العین کو مدنظر رکھ کر مسیحی خیرات کے معیار کو بلند کرتی رہیں۔

(۲) رکاوٹ کا ایک اور سبب خادم دین کے کام سے تعلق رکھتا ہے
تعلیم یافتہ طبقہ عام طور پر یہ خیال کرتا ہے کہ خادم دین کے کام اور فرائض
ایسے ہیں کہ ان میں قوت اختراع کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ وہ کہتے ہیں کہ
اگر ہم خدمتگذاری کا کام اٹھائیں تو ہم کو کوئی موقعہ نہیں ملے گا کہ ہم
اپنی قابلیتوں کے جوہر دکھا سکیں یا کسی کام کے شروع کرنے میں پیشقدمی
کر سکیں اور یوں ہماری تعلیم و تربیت رائگان جائے گی۔ ان کا یہ خیال ہے
کہ خادم دین چاروں طرف سے کلیسیائی نظام کی قیود میں جکڑا ہوتا
ہے اور یہ قیود و سلاسل ان کی خداداد قابلیت کی راہ میں مزاحم
ہوں گے۔

یہ بات ہمیں طوعاً و کرہاً تسلیم کرنی پڑے گی کہ تعلیم یافتہ طبقہ
کی شکایات بجا ہیں۔ کلیسیا میں بعض خادمان دین ایسے محدود خیال
کے ہوتے ہیں کہ ان کی کلیسیاؤں کے نوجوانوں کو ان کے طرز عمل اور نمونے
سے مسیحی خدمتگذاری کے مفہوم کا پتہ ہی نہیں لگ سکتا۔ کلیسیا کا نظام
بھی بعض اوقات ایسا سخت اور جامد ہوتا ہے کہ اگر کوئی تعلیم یافتہ شخص
اپنے آپ کو خدمت کے لئے پیش بھی کرے تو اس کے لئے اس نظام میں
جگہ نہیں ہوتی اور ارباب بست و کشاد نہیں جانتے کہ ایسے شخص کے
لئے کیا کام نکالیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے اشخاص کی تلاش
بھی نہیں کرتے لیکن کلیسیا کو اعلیٰ ترین پایہ کے قابل خادمان دین کی اشد
ضرورت ہے جو اپنی خداداد قوت اختراع کو ذمہ دار پیشوا ہو کر استعمال
میں لا سکیں۔ کلیسیا کا نظام جامد اور محسوس ہونے کی بجائے ایسا لچکدار ہونا

چاہئے کہ اس قسم کے اشخاص اپنی خداداد قابلیت کا استعمال کر سکیں۔

فصلِ دوم

خادمانِ دین کو بہم پہنچانے کے طریقے

ہندوستان میں خادم دین کے عہدے پر کثرت سے ایسے
شخص مامور کئے گئے ہیں جن کی عقل محدود اور قابلیت اوسط
درجے کی ہوتی ہے کیونکہ کلیسیا اعلیٰ ترین قابلیت اور استعداد کے
اشخاص کو ذمہ دارانہ جگہوں پر متعین کرنے میں قاصر رہی ہے پس
اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اعلیٰ ترین پایہ کے آدمیوں کی تلاش
کی جائے اور یہ تلاش بے قاعدہ اصولوں کے ذریعہ کبھی نہیں کرنی
چاہئے۔ بلکہ اس کوشش کو باقاعدہ مسلسل طور پر متواتر جاری رکھنا
چاہئے۔ کلیسیا کو یہ طریق عمل ہمیشہ اور ہر زمانہ میں اپنے سامنے رکھنا
چاہئے۔ تامبرم کانفرنس نے ذیل کے وسائل بتلائے ہیں۔

(۱) کلیسیا کو ایسے خاندانوں کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ جہاں والدین
کی دینداری اور نمونہ بچوں کے سامنے ہر وقت رہتا ہے۔ جہاں دعا
کے وسیلے روزمرہ کی زندگی کو خدا کی نذر کیا جاتا ہے۔ ان باتوں کا

اثر بچوں کے دل و دماغ پر دوامی ہوتا ہے۔

(۲) مشن سکولوں اور کالجوں کی یہ خاص ذمہ داری ہونی چاہئے کہ وہ مسیحی طلبا کے سامنے مسیحی خدمتگذاری کے کام کو پیش کیا کریں کیونکہ اسی زمانۂ بلوغت میں جوان اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کیا کرتے ہیں۔

(۳) پاسٹروں کا فرض ہے کہ وہ اپنے نمونہ سے نوجوانوں کو سکھائیں کہ مسیحی خدمتگذاری کا کیا مطلب ہے۔ ان کا یہ فرض ہے کہ وہ جوشیلے نوجوانوں کے دلوں پر یہ نقش کر دیں کہ وہ اپنی زندگی خدا کی خاطر وقف کریں۔ پاسٹر اپنے فرائض کو سرانجام دیتے ہوئے نوجوانوں پر ظاہر کر دیں کہ ان کے سامنے مسیحی خدمتگذاری کیسے سنہری موقعے پیش کرتی ہے۔

(۴) کلیسیا کا فرض ہے کہ وہ ہر فرد کے سامنے مسیحی خدمتگذاری کے جلیل القدر عہدے کے مطالبے پیش کیا کرے۔

یہ ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا طریقوں کو آج کل استعمال نہیں کیا جاتا۔ بہت سی کلیسیائیں اس معاملہ میں عارضی اور اٹکل پچو ڈھنگ سے کوششیں کرتی ہیں۔ مسیحی خاندان اپنے بچوں کے سامنے مسیحی خدمتگذاری کے نصب العین کو پیش نہیں کرتے۔ مشن سکولوں اور کالجوں میں کوئی باقاعدہ کوشش نہیں کی جاتی لہذا ایسے خادمانِ دین کی کمی نہیں جو خود اپنے بیٹوں کو مسیحی خدمتگذاری کے کام سے منع کرتے ہیں۔

(۵) مسیحی خاندانوں کی روحانی پرورش اور تربیت کلیسائی کام کا مرکز ہے ہر بات کا دارومدار صرف اس ایک چیز پر ہے ہر ایک کلیسیا

کا فرض ہے کہ ہر ایک گھرانے کے سامنے مسیحی خاندان کا نصب العین پیش کرے۔ اس غرض کے لئے عمدہ بائی کرسچن کونسل سے کتابیں مل سکتی ہیں۔

(۶) مشن سکولوں اور کالجوں کے استادوں کے لئے لازم ہے کہ وہ مسیحی خدمتگذاری کے کام اور کلیسیا کے مطالبات کو طلبا کے سامنے باقاعدہ پیش کیا کریں۔ یہ کام صرف دینی تعلیم دیتے وقت ہی نہیں بلکہ باقاعدہ منظم طور پر اور طلبا کے ساتھ فرداً فرداً گفتگو اور میل ملاقات کے ذریعہ کرنا چاہئے۔ اس معاملہ میں ان اداروں میں اور کلیسیا میں اشتراکِ عمل اور تعاون نہایت ضروری ہے۔ ان اداروں کو چاہئے کہ وقتاً فوقتاً خادمانِ دین کو بلائیں تاکہ وہ طلبا کے سامنے مسیحی خدمتگذاری کے موقعوں کو پیش کر سکیں۔ لڑکوں کے ہاتھوں میں ایسی کتابیں دینی چاہئیں جن کو پڑھ کر وہ معلوم کر سکیں کہ کلیسیا کیا کام کرتی ہے۔ اس کی ضروریات کیا ہیں اور وہ خود ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔ عبادت کے وقت کو بھی اس غرض کے لئے استعمال کرنا چاہئے۔ جن اداروں میں امیدواران استحکام کی جماعت تیار کی جاتی ہے ان میں مذکور کے سامنے کلیسیائی ضروریات کو پیش کرنا چاہئے کیونکہ ایسے وقت میں لڑکے دینی امور پر غور و فکر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

[illegible]ء میں یونائیٹڈ چرچ آف ناردرن انڈیا کی جنرل اسمبلی نے یہ خیال پیش کیا تھا کہ مشن سکولوں اور کالجوں میں تاریخ کلیسیا کی کہانیوں اور مقدسین کی زندگیوں اور شہیدوں کی مبارک موت کا

ذکر کرنا پڑتا ہے۔ ہمارا بھی اس راستے پر صاد ہے۔ سٹوڈنٹ کرسچن موومنٹ
کی شاخیں ہر سکول اور کالج میں ہونی چاہئیں۔ کیونکہ ان کے ذریعہ
طلبا کلیسیائی زندگی میں حصہ لیتے ہیں اور اپنے فالتو وقت میں بائبل
کا مطالعہ اور دیگر دینی کتب پڑھ کر مسیحی زندگی سے واقف اور مسیحی
شراکت میں شامل ہو سکتے ہیں اور یوں مسیحی خدمت گذاری کے مفہوم
اور مطلب کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اور معلوم کر سکتے ہیں کہ آیا ان کو خود
اس ذمہ دارانہ خدمت کے بوجھ کو اٹھانا چاہئے یا نہیں۔

(۳) [illegible] ان باتوں سے زیادہ کلیسیا کا یہ مقدم فرض
ہے کہ وہ خود جوانوں کی روحانی پرورش کو اپنے ہاتھوں میں لے اور ان
میں عبادت کے ذریعہ خدمت کی روح پھونکے اور جماعتی کوشش
کے ذریعہ مسیحی زندگی کو ایسے طور پر ظاہر کرے کہ پھیلاؤ ہو۔ بعض مقامات
میں جوانوں کی سوسائٹیوں اور انجمنوں کی دانشمندانہ تنظیم کی گئی ہے
اور تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ ان کے ذریعہ جوانوں میں مسیحی خدمتگذاری
کا احساس اور ولولہ پیدا ہوا ہے۔ بعض اوقات ان انجمنوں میں اور
مقامی خادمانِ دین میں باہمی آویزش ہو جاتی ہے نوجوان شکایت
کرتے ہیں کہ خادمان دین ان پر حکومت چلاتے ہیں اور جب ان کی
حکومت نہیں چلتی تو وہ ان سے علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں۔ ادھر
خادمان دین شاکی ہیں کہ نوجوان ان کی صلاح نہیں لیتے اور اپنے
کام کو کلیسیائی زندگی کے باہر چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن
دونوں کو دانشمندی سے کام لیکر حدود کے اندر رہنا چاہیے۔ دانا
خادم دین کو لازم ہے کہ نوجوانوں کو مسیحی خدمت میں مشغول رکھے اور

ان کو آگے کرے اور خود پیچھے رہے۔ ان کو جوش عنایت کرے کہ اپنی زندگی
کو خداوند کی خاطر وقف کر دیں اور اپنے نمونہ سے دکھلا دے کہ یہ خدمت
ایک نہایت عظیم الشان کام ہے۔

بعض کلیسیاؤں میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو رضاکارانہ طور پر بغیر
تقرری کے مسیحی خدمت کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ ایسے اشخاص نہایت
مفید ثابت ہوتے ہیں اور بعض تقرری بھی حاصل کر لیتے ہیں اور یوں
اپنے بلاوے کے لئے تجربہ حاصل کر کے خدا کی خدمت کرتے ہیں۔
ایسے غیر تقرری یافتہ اشخاص عموماً معزز عہدوں پر ہوتے ہیں۔ اور
یوں دوسرے بھی خدمتگذاری کے کام کو عزت کی نظر سے دیکھنے لگ
جاتے ہیں جس سے خادم دین کے [illegible] باتوں کی روک تھام
بھی ہو جاتی ہے۔ جنوبی ہند کی ایک کلیسیا نے یہ انتظام کر رکھا ہے
کہ بلا معاوضہ پاسٹر کام کر سکتے ہیں۔ ایسے دیندار اشخاص جو پنشن پا
ہو جاتے ہیں جن کی مالی حالت ایسی ہوتی ہے کہ ان کو معاوضہ کی
حاجت نہیں ہوتی بلا معاوضہ کام کرنے کے لئے پاسٹر مقرر کئے
جاتے ہیں۔ ان کے لئے بھی وہی شرائط ہیں جو تنخواہ دار پاسٹروں
پر عائد ہوتی ہیں۔ گرچہ ان کے لئے سند کا حاصل کرنا لازم نہیں ہوتا
باقی تمام قیود اور شرائط ان پر بھی حاوی ہوتی ہیں۔ لیکن ایسے
پاسٹروں کا تقرر نہیں ہوتا جن کو وہ کلیسیائی نظام کے ماتحت [illegible]
نہیں کر سکتے۔ اس انتظام کے مطابق تا حال صرف ایک شخص کچھ
مدت کے لئے پاسٹر مقرر کیا گیا تھا لیکن اس قسم کی تجویز کے ذریعہ
تجربہ کار اور پختہ کار اشخاص خدمتگذاری کا کام دے سکتے ہیں۔

(۲) لیکن اس کا اصلی چارہ کار ذاتی رسوخ اور اثر ہے جس کے ذریعہ قابل ترین اشخاص مسیحی خدمتگذاری کے فرض کو محسوس کر سکتے ہیں تنظیم اپنی جگہ سود مند ہے۔ دوسرے طریقے اپنی اپنی جگہ فائدہ مند ہیں لیکن وہ بھی کارگر ہو سکتے ہیں جب ان طریقوں کے اختیار کرنے والوں کا ذاتی اثر کارگر ہو۔ پس لازم ہے کہ طریقوں کو استعمال کرنے والے لوگ خود اپنے خداوند کے وفادار خادم ہوں اور کلیسیا کے لئے اپنے سینوں میں غیرت رکھتے ہوں جس کے سبب ان کے کام کا متعدی اثر خود دوسروں کے دلوں اور روحوں میں سرایت کر جائے۔

ہندوستان کی کلیسیا میں خدا کے فضل سے ایسے لوگ موجود ہیں جن کو روح القدس نے اس طرح استعمال کیا ہے۔ یہاں دو مثالیں دینی کافی ہونگی۔ مارتھوما شامی کلیسیا کے ایک بشپ کا طالب علموں پر ایسا گہرا اثر ہوا ہے کہ گذشتہ چند سالوں کے اندر اس کلیسیا میں متعدد قابل اور مخصوص شدہ اشخاص مسیحی خدمتگذاری کا کام کر رہے ہیں۔ دوسری مثال [illegible] سکول کی ہے۔ جس میں پانچ گریجویٹ امیدواران تقرر موجود ہیں۔ یہ پانچوں گریجویٹ ایک ہی مشن کالج سے آئے ہیں جہاں وہ طالب علمی کے زمانہ میں ایک نگران کے زیر اثر رہے تھے۔ روح القدس عموماً ایسی تقدیس شدہ زندگیوں کے اقوال و افعال کے ذریعہ نوجوانوں کے دل و دماغ پر اثر کرتا ہے۔

اس میں ذرہ بھر شک کی گنجائش نہیں کہ ہندوستان کی کلیسیا کو اعلیٰ ترین پایہ کے قابل خادمان دین کی سخت ضرورت ہے پس اس کو لازم ہے کہ وہ موجودہ بے فائدہ اور بے ڈھنگے وقتی اور عارضی اور اتفاقی

طریقے چھوڑ دے اور تمام مسیحیوں پر کھلے لفظوں میں واضح کر دے کہ اس کو خدمتگذاری کے کام کے لئے قابل ترین لوگوں کی اشد ضرورت ہے۔ اس کو چاہئے کہ اس بات کے لوگوں کی تعلیم و تربیت کا باقاعدہ اعلیٰ پیمانہ پر انتظام بھی کرے اور ان کو یقین دلائے کہ ان کی خاطر طالب علموں کے لئے زریں موقعے موجود ہیں۔ سب باتوں سے زیادہ کلیسیا پر لازم ہے کہ وہ فصل کے مالک کی منت کرے کہ وہ اپنے فضل میں مزدوروں کو بھیجے اور ایسا انتظام کرے کہ وہ لوگ جنہوں نے اس کی دعا کے جواب میں اپنی بلاہٹ کی آواز سنی ہے۔ خداوند کی کلیسیا کی خدمت دل و جان سے کر سکیں۔"

باب ششم

تعلیم دینیات اور اشتراکِ عمل

فصلِ اوّل

ضرورتِ تعاون

"ہندوستانی کلیسیا کی مختلف سرگرمیوں میں کسی بات میں تعاون کی اس قدر ضرورت نہیں جیسی خادمانِ دین کی تعلیم و تربیت کے معاملہ میں اس کی ضرورت ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اور کسی معاملہ میں تعاون کی راہ میں اس قدر مشکلات بھی حائل نہیں ہیں۔ بیس سال کا عرصہ ہوا مرحوم بشپ عزریاہ نے [illegible] کی کانفرنس میں کہا تھا کہ یورپ اور امریکہ کے رہنے والے کہتے ہیں کہ کلیسیائی اتحاد ایک اچھا نصب العین ہے لیکن ہم ہندوستانیوں کے لئے یہ اتحاد کلیسیا کی زندگی کی روح رواں ہے" یہ ایک ایسا یقینی امر ہے

جس کا ذکر بار بار ہر کانفرنس اور ہر کمیٹی میں کیا جاتا ہے کیونکہ مختلف کلیسیاؤں کے شرکاء کو اس بات کا احساس ہے کہ اتحاد کلیسیا کے وجود کے لئے نہ صرف ضروری اور لازمی شے ہے۔

خادمانِ دین کی تعلیم و تربیت کا موجودہ انتظام ظاہر کرتا ہے کہ اس کی تقریباً تمام خامیاں اتحاد و تعاون اور اشتراکِ عمل سے رفع ہو سکتی ہیں۔ گذشتہ ابواب سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ خامیاں زیادہ تر صوبائی دینیات کے مدرسوں میں پائی جاتی ہیں جو امیدواروں کی ایک کثیر تعداد کی تعلیم و تربیت کرتے ہیں۔ ان کے عملہ پر خلوص نیت سے کام کرنے والے استاد ہیں لیکن وہ بیچارے ایسے حالات میں کام کرتے ہیں کہ ان کی مساعی جمیلہ بار آور نہیں ہوتیں۔ استادوں کی تعداد کم ہوتی ہے اسباب و آلات کی بھی کمی ہوتی ہے اور طلبا کی تعداد اور لیاقت بھی کم ہوتی ہے۔ فرقہ وارانہ اداروں سے ناکافی عملہ اور سامان کے بغیر معمولی قسم کے امیدواروں کی تقرری سے کام چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی ادارہ میں بھی اعلیٰ پایہ کا کام نہیں ہو سکتا اور ایک ہی قسم کے کام کے لئے دو چند اور سہ چند کوشش کی جاتی ہے اور یوں غیر ضروری اضافہ کی وجہ سے روپیہ برباد ہوتا ہے۔ بعض مقامات میں جزوی اشتراکِ عمل اور تعاون نظر آتا ہے لیکن کلیسیاؤں کا کامل اتحاد اور مشنوں کا پورا تعاون ہم کو کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ خادمانِ دین کی تعلیم و تربیت کا کام ایک عظیم الشان کام ہے۔ لیکن اس کو اعلیٰ پیمانہ پر چلانے کے لئے اور بہترین قسم کے امیدواروں کی تقرری کو ہم پہنچ سکنے کے لئے جو کوششیں

کی حاجتیں ہیں وہ خطرناک طور پر کمزور ہیں۔ گذشتہ پندرہ سال سے
کئی ایک کمیشنوں اور کمیٹیوں نے کلیسیا کی ان ضروریات کا جائزہ
لیا ہے جن کا مختصر ذکر ہم باب سوم میں کر آئے ہیں لیکن ان کی رپورٹ
کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا گیا ہے۔ مرحوم ڈاکٹر بشپ فیلڈ نے
دیہاتی جماعتوں کے متعلق رپورٹ لکھ کر چند ایک تجاویز پیش کی تھیں
لیکن ان میں سے صرف بعض تجاویز پر کہیں کہیں عمل کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر
لنڈ سے کی رپورٹ نہایت قابل قدر چیز تھی لیکن اس کا جو امید افزا اثر
نفقہ کے بہم پہنچانے اور تعلیم و تربیت پر تھا، ابھی نہیں ہوا۔ اس
رپورٹ میں دینیات کی تعلیم کے متعلق چند ایک تجاویز تھیں لیکن سب
جانتے ہیں کہ ان کا کیا حشر ہوا ہے۔ اس میں تعاون اور اشتراک
عمل کی ترغیب دی گئی تھی۔ لیکن دینیات کے مدرسوں پر اس کا
اثر صفر سے کچھ ہی زیادہ ہوا ہے۔ ڈاکٹر پکٹ نے ماس موومنٹ
رپورٹ میں دیہاتی کلیسیاؤں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اس
بات پر زور دیا تھا کہ ان کی نگہداشت کے لئے تربیت یافتہ خادمان
دین کی اشد ضرورت ہے لیکن اس پر بھی توجہ نہیں دی گئی۔ یہ
تمام رپورٹیں اعلیٰ پایہ کی تھیں۔ کلیسیاؤں کی دینی پیشوائی اور خادمان
دین کی تعلیم و تربیت ان کے پروگرام کا ضروری حصہ تھا جو لوگ
ان تجاویز کے مخالف ہیں اور اس معاملہ میں تعاون اور اتحاد عمل
سے گریز کرتے ہیں ان کے کندھوں پر بڑی بھاری ذمہ داری کا بوجھ
ہے۔

اسی اشد ضرورت کے احساس کی وجہ سے تامبرم کانفرنس نے

تعلیم و تربیت کے معاملہ میں اتحاد عمل پر زور دے کر ایسے فیصلے
کئے ہیں جن کے نتائج اس کی عاقبت اندیشی پر دال ہیں۔ اس کانفرنس
نے یہ اعتراف کیا ہے کہ دینیات کی تعلیم کے تمام مسائل اس وقت
تک حل نہیں ہو سکتے جب تک کلیسیا ظاہری طور پر ایک بدن نہیں
ہوتی لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ "ہم کو اس مبارک وقت تک ہاتھ
پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھے رہنا چاہئے۔ ہمارے سامنے یہ مشکل درپیش
ہے کہ متعدد مدارس ایسے موجود ہیں جو ایک دوسرے سے الگ ہیں
جن کا عملہ ناکافی ہے جن کے کام کا معیار گرا ہوا ہے۔ ہمیں اس بات کا
کلی یقین ہے کہ دینیات کی تعلیم کے ادارے تعاون اور اتحاد عمل کے
بغیر کسی جگہ بھی معرض وجود میں نہیں آنے چاہئیں۔"

اب ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا ہندوستان کی مشنیں اور کلیسیائیں
تامبرم کانفرنس کے الفاظ کے نتائج کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں؟
کیا وہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے پہلا قدم اٹھانا چاہتی ہیں؟ یہ
ظاہر ہے کہ پہلا قدم یہ ہے کہ تمام طاقتوں کو اور تمام وسائل اور ذرائع
کو مجتمع کیا جائے تاکہ ان کے اکٹھا ہونے سے دینی تعلیم ترقی کر سکے۔
اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم موجودہ امیدواران تقرری کی تعداد کو کم کر دیں۔
دینیات کے متعدد مدرسوں میں امیدوار انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں
جہاں وہ دیگر طلباء کے ساتھ اکٹھے پڑھتے ہیں۔ ایسے امیدواروں کو یہ
فائدہ ہوگا کہ وہ ایک ایسے ادارہ میں صرف امیدواران تقرری کے ساتھ
زیادہ تعداد میں اکٹھا مطالعہ کر سکیں گے جہاں عملہ اور دیگر لوازمہ
کافی ہوں گے۔

فوراً برپا ہو جاتا ہے ہر ایک فرقہ کلیسیا کے وجود، کلیسیائی خدمتگزاری، کلیسیائی نظام، کلیسیائی عبادت، اور طرزِ حکومت وغیرہ کے متعلق مختلف خیال رکھتا ہے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ خادمانِ دین کی ایسی تعلیم و تربیت کی جائے جس میں ان اختلافات کو کلیتہً نظرانداز کیا جائے؟ ہر شخص اس کا جواب نفی میں دے گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم ان اختلافات کی وجہ سے تعلیم و تربیت کے معاملہ میں تعاون اور اتحادِ عمل نہیں کر سکتے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ اس خاص امر میں ہم اُس جامعیت اور وسیع نظر کا اظہار کر سکتے ہیں جو ہم نے اُن اختلافات کے باوجود حاصل کر لی ہے جن کو ہم نظرانداز نہیں کر سکتے۔ اب اس کا امکان ہو گیا ہے کہ خادمانِ دین اپنی مختلف کلیسیائی وابستگی کے مطابق تعلیم و تربیت حاصل کر سکیں اس درمیانی رشتہ کا وجود و طریق قبول کرتے ہیں جیسا ہے بعض متحدہ اداروں میں تجربہ کیا گیا ہے وہ بڑا کامیاب ثابت ہوا ہے۔ ہم اس پر بعد میں تفصیلی بحث کریں گے۔

(۲) عقائد کے اختلافات: مختلف فرقوں کے بعض اختلافات نہ صرف امورِ نظام کے متعلق ہیں بلکہ امورِ ایمان کے متعلق بھی ہیں اور یہ اتحادِ عمل کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ خوش قسمتی سے ہمارے ہندوستان میں امورِ ایمان پر اختلاف بہت کم ہے۔ تمام پروٹسٹنٹ کلیسیائیں بالعموم عقائد کے معاملہ میں متفق الرائے ہیں اگرچہ مختلف فرقے امورِ ایمان کے مختلف پہلوؤں پر زور دیتے ہیں

کم و بیشی کرتے ہیں۔ ہاں ایک بات ہے جو مباحثہ کی آگ کو بھڑکا دیتی ہے اور وہ خیالاتِ دیرینہ اور خیالاتِ جدیدہ کی باہمی جنگ ہے۔ قدامت پسند اصحاب کتبِ مقدسہ کو لفظاً لفظاً اور لفظی معنوں میں مانتے ہیں۔ لیکن جدت پسند اصحاب مذہبی عقائد کو جدید طرزِ خیال کے مطابق ملتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی مشن یا کلیسیا یہ خیال کرے کہ فلاں ادارہ میں ایسی تعلیم دی جاتی ہے جس کو وہ غلط مانتی ہے تو وہ اپنے امیدواران تقرر کو وہاں نہیں بھیجے گی۔ اس صورت میں اشتراکِ عمل محال نہیں تو مشکل ضرور ہو جاتا ہے لیکن ہندوستان کے دینیات کے اداروں کو معائنہ کرنے کے بعد ہم وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسیحی جامع ایمان کے اصول کے متعلق یہ ادارے حیرت انگیز طور پر متفق الرائے ہیں۔ تمام اداروں کے اساتذہ چاہتے ہیں کہ ان کے طلباء مقدس اگسٹین کے ہمنوا ہو کر کہیں "میں پورے طور پر مسیح کو اپنا منجی مانتا ہوں۔ میں پوری بائبل کو اپنا عصا جانتا ہوں۔ میں پوری کلیسیا ئے جامع کا شریک ہوں۔"

ہندوستان میں کوئی ادارہ ایسا ہوگا جہاں قدیم و جدید خیالات میں ایسی آویزش ہو کہ اس نے جنگ کی صورت اختیار کر لی ہو۔ لیکن اگر کوئی ایسا ادارہ ہے تو یہ ظاہر ہے کہ وہاں اشتراکِ عمل نہیں ہو سکتا۔ پر یہاں ایک اور بات کا امکان ہو سکتا ہے کہ تمام جدت پسند کلیسیائیں باہم تعاون کر کے اتحادِ عمل سے اپنا ایک الگ ادارہ کھول لیں مگر وقت آ گیا ہے کہ ہم مکان کے مختلف پہلوؤں پر غور کر کے قدم اٹھایا جائے۔

(۴) قومی اختلافات

ہندوستان میں تین قسم کی اقوام نے دیسی کلیسیا قائم کی ہیں یعنی امریکنوں نے، برٹش نے اور دیگر یورپین ممالک کے لوگوں نے مختلف کلیسیاؤں کی بنیادیں رکھی ہیں اور ساتھ ہی اپنے قومی خصائص کو بھی ان کلیسیاؤں کے رگ و ریشہ میں ڈال دیا ہے یہ ہندوستانی کلیسیا کی زندگی کا بین ثبوت ہے کہ وہ ان گہرے اختلافات کے باوجود اتحاد پذیر ہوئی ہے۔ تعلیم دینیات میں سرامپور کی ڈگری نے مختلف کلیسیاؤں کو یکجا کرنے میں مدد دی ہے۔ ایک یورپین ملک کے بادشاہ نے شاہی پروانہ کی رو سے سرامپور کو سندیں عطا کرنے کا حق بخشا۔ جس کے ذریعہ تمام ملک ہندوستان فائدہ اٹھا رہا ہے سرامپور نے مختلف خیال اور مختلف نظام رکھنے والی راسخ الاعتقاد اور اصلاح یافتہ کلیسیاؤں سے دینیات دانوں کو ایک نصاب تعلیم کے ذریعہ یکجا کر کے ایک دینی اتحاد [illegible] کے ماتحت کر رکھا ہے جس کے ممبر ہندوستانی، امریکن، برٹش اور دیگر یورپین ممالک کے باشندے ہیں۔ اتحاد و تحصیل کو اعلیٰ پیمانہ پر قائم کر کے اس نے نہ صرف ایک اعلیٰ ترین مثال قائم کر دی ہے بلکہ ایک راہ بھی تیار کر دی ہے۔ جس سے مختلف کلیسیاؤں کے ممبر ایک دوسرے کی رفاقت میں قائم رہ کر فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

کلیسیائے ہندوستان ان تمام قومی روایات سے تب ہی

تب ہی فائدہ اٹھا سکتی ہے جب یہ قومی خصائص متحدہ اداروں میں یکجا جمع ہوں۔ لیکن اگر مغربی ممالک اپنی اپنی روایات کو الگ الگ اداروں میں جاری رکھیں گے تو ہندوستانی کلیسیا کو فائدہ کی بجائے الٹا نقصان پہنچے گا۔ حقیقی اشتراک عمل اور اتحاد کی بنیاد تب ہی پڑ سکتی ہے جب ہم ان اختلافات کو وسیع کرنے کی بجائے ان کو جذب کرنے کی کوشش کریں گے۔

(۵) روایات کے بندھن

اگر تعاون کی تمام مشکلات کو حل بھی کر لیا جائے تو بھی گذشتہ روایات کے بندھن ایسے ہیں کہ انسان قدرتی طور پر موجودہ اداروں اور مروجہ انتظام کو چھوڑ کر ایک نئی شے اور نئی تنظیم کا تجربہ کرنا نہیں چاہتا۔ موجودہ اداروں اور موجودہ طریقوں اور اداروں کے مقامات اور عمارتوں کے ساتھ ایک فطرتی دلچسپی اور لگاؤ ہوتا ہے اور یہ خیال ستاتا ہے کہ ہم سے پہلے بہت سے مقدسین نے ان اداروں میں خدمت کی ہے۔ اور اب معلوم نہیں تعاون اور اتحاد کے نئے طریقوں اور نئی جگہوں اور نئے لوگوں سے اشتراک عمل کا نتیجہ ہماری کلیسیا کے حق میں نیک ہوگا یا نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ گذشتہ روایات کے یہ بندھن کچھ ڈھیلے کئے بغیر نہیں ہوتے۔ آسانی سے ٹوٹ جائیں۔ ان کے ساتھ بعض اوقات دل بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔ پس ہم کو نہایت محتاط ہونا چاہئے اور جب تک ہم کو اس یقین نہ ہو کہ تعاون اور اتحاد سے بہتر نتائج پیدا ہوں گے

ہم کو یہ قربانی طلب نہیں کرنی چاہیئے - پس تعاون و اتحاد کی وہی تدبیریں کامیاب ہو سکتی ہیں جن سے ایسے نتائج پیدا ہونگے جو علیحدہ الگ الگ فرقہ وارانہ ادارے نہیں کر سکتے - اگر کلیساؤں اور مشنوں کو یہ کامل یقین ہے کہ وہ اپنے تمام سرمایہ اور وسائل و ذرائع کو یکجا جمع کر کے ایسے خادمانِ دین کا گروہ فراہم کر سکتے ہیں جو ان کے موجودہ انتظام سے بدرجہا بہتر ہوگا اور جو ان کی اپنی کلیساؤں کی بہتر طور پر خدمت کر سکے گا تو یہ ظاہر ہے کہ روایات کے بندھن اتحادِ عمل کی راہ میں رکاوٹ کا باعث ثابت نہیں ہوں گے - اس کے برعکس اشتراکِ عمل اور تعاون کی تجاویز پر بڑی سنجیدگی سے غور کیا جائے گا اور ان پر صائب رائے رکھنے والے اتفاق بھی کر لیں گے "

فصل سوئم

انواعِ تعاون

تعلیم دینیات میں تعاون کے معاملہ میں حل طلب معمہ یہ ہے اور ایک حد تک یہ لازمی امر ہے کہ اتحادِ عمل ہو اور دوسری طرف ضروری بات یہ ہے کہ اس اشتراکِ عمل سے متحدہ ادارہ دینیات میں فرقہ وارانہ روایات بھی ضائع نہ ہوں --- پس سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عقائد

نظام اور عبادت کی مختلف روایات میں کس طرح باہم تعاون ممکن ہو سکتا ہے ؟ اور یہ تعاون اور اشتراکِ عمل کیا صورتیں اختیار کر سکتا ہے ؟

موجودہ حالات میں جس جگہ متحدہ ادارے ہیں وہاں فرقہ وارانہ اختلافات کو ادارے کی ترتیب و تنظیم سے خارج کر دیا جاتا ہے لیکن ادارے کی جماعتی تنظیم کے باہر ان اختلافات کو برقرار رکھنے کا الگ انتظام کیا جاتا ہے - بالعموم یہ متحدہ ادارے اچھا کام کرتے ہیں لیکن ان میں صرف وہی کلیسائیں اشتراکِ عمل کرتی ہیں جن کا کلیسائی نظام ایک ہی قسم کا ہوتا ہے - اس جزوی اشتراکِ عمل سے قابل قدر نتائج پیدا ہوئے ہیں لیکن اب یہ احساس بڑھتا جاتا ہے کہ یہ کافی نہیں ہے بلکہ اس کے آگے قدم بڑھا کر ہم کو پورا پورا اتحادِ عمل حاصل کرنا چاہیئے جو ٹھوس اور جامع ہو بلکہ ایسا لچکدار ہو کہ فرقہ وارانہ اختلافات اس کے اندر سما سکیں - چنانچہ تامبرم کانفرنس اپنی رائے کا بایں الفاظ اظہار کرتی ہے - " جن کلیساؤں کی یہ خواہش ہے کہ وہ اپنے عقائد یا عبادت کی خصوصی روایات کو برقرار رکھیں ہم ان کے سامنے جنوبی افریقہ کے فورٹ ہیر کالج اور جنوبی چین کے کینٹن کے نمونے پیش کرتے ہیں - وہاں ایک ہی ادارہ میں مختلف کلیساؤں نے اپنے امیدواران تقرر کے لئے مختلف ہوسٹل کنٹرول رکھے ہیں " اس رائے کے متعلق نیشنل کرسچن کونسل کی دینیات کی کمیٹی نے اپنے خیالات یوں ظاہر کئے ہیں " اب وقت آ گیا ہے کہ تمام کلیسا اس کا عظیم کو متحدہ طور پر چلاتے اور واجب ہے کہ ہر فرقہ کی کلیسائیں پورے طور پر اس اتحادِ عمل میں شریک ہوں - اس میں سہولت پیدا کرنے کے لئے ہم یہ پیش کرتے ہیں

ہندوستان میں) وہ تربیت حاصل کر سکتے ہیں۔ تعاون اور اشتراکِ عمل کی تین انواع و اقسام بتلائی گئی ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تعاون کی چوتھی صورت ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ تین انواع حسبِ ذیل ہیں:—

(۱) متحدہ ادارے جو ہندوستان کے بعض مقامات میں اب پائے جاتے ہیں۔

(۲) فرقہ وارانہ ہوسٹل الگ الگ ہوں لیکن استادوں کا عملہ واحد ہو۔

(۳) وفاقی ادارے جو ایک دوسرے کے متصل ہوں تاکہ سب طلبا ایسی فضا میں اکٹھے سیکھ سکیں جس کے سکھلانے کا پہلے سے متفقہ فیصلہ کیا گیا ہو۔

(الف) متحدہ ادارے:

موجودہ متحدہ اداروں میں جو کلیسیائیں ایک دوسرے سے تعاون کرکے اشتراکِ عمل کرتی ہیں ان کو یہ علم ہوتا ہے کہ ان کے فرقوں کی خصوصی روایات کی حفاظت کی جائیگی اور امیدواران تقرر کی تعلیم و تربیت ایسے طریقہ سے کی جائے گی کہ وہ اپنی کلیسیاؤں کی ضروریات کو پورا کر سکیں گے۔ بعض کلیسیائیں ایسی بھی ہیں جو ان متحدہ اداروں کی مالی امداد نہیں کرتیں لیکن اپنے طلبا کو اکثر تعلیم و تربیت پانے کے لئے بھیج دیتی ہیں اور یہ ادارے نہایت فیاضی سے ایسے طلبا کا خیر مقدم کرکے ان سے صرف برائے نام فیس لیتے ہیں لیکن واجب ہے کہ ایسی کلیسیائیں ان متحدہ اداروں سے سرگرمی سے تعاون کریں اور اپنی تعداد اور مالی حالت کے مطابق

اشتراکِ عمل کرکے ان اداروں کو مضبوط اور مستحکم کریں۔ بعض کلیسیائیں اپنے امیدواران تقرر کی تعلیم و تربیت کا خود انتظام کرتی ہیں۔ لیکن چند منتخب اشخاص کو ان متحدہ اداروں میں بھیجتی ہیں تاکہ یہ چیدہ امیدوار وہاں کی تعلیم سے بھی فائدہ اٹھا سکیں۔ وہ اپنے تمام طلبا کو متحدہ اداروں میں بھیجنے سے ہچکچاتی ہیں کیونکہ ان کو یہ خدشہ دامنگیر ہوتا ہے کہ ان کے فرقوں کے اصول کی کافی حفاظت نہ ہوگی۔ لیکن اس قسم کی مشکلات مصالحت اور گفت و شنید کے ذریعہ بآسانی سلجھائی جا سکتی ہیں۔ یہ ایک یقینی امر ہے کہ متحدہ اداروں کی ذمہ دار اکثریت ڈھکی چھپی بے لطف بے تخصیص مذہب کی دینی تعلیم و تربیت نہیں چاہتی بلکہ وہ اس بات کی خواہاں ہے کہ فرقہ وارانہ اختلافات کی مناسب بر ملا زیادہ تر کو ان کی تعلیم و تربیت کے نصاب میں جگہ ملے۔ اگر متحدہ ادارے تعاون کی خاطر اپنے انتظام میں فرقہ وارانہ تعلیم و تربیت کی گنجائش کر سکتے ہیں تو دونوں اپنی مالی اور روحانی حالت کو سدھار کر ان کو زیادہ مضبوط اور مستحکم بنا سکتے ہیں۔

(ب) فرقہ وارانہ ہوسٹل اور واحد عملۂ اساتذہ:—

دنیا کے مختلف ممالک میں اس طریقۂ تعاون کا تجربہ کیا گیا ہے جو کامیاب ثابت ہوا ہے۔ اس قسم کے تعاون کے دو فائدے ہیں۔ ایک فائدہ تو یہ ہے کہ فرقہ وارانہ اختلافات کو تسلیم کرکے ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جاتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ تربیت دینے والے اساتذہ کا عملہ واحد ہوتا ہے۔ کتب خانہ ایک ہوتا ہے۔ مختلف فرقوں کے

طلبا اور استاد ایک دوسرے سے میل ملاقات کرکے تبادلۂ خیالات کرسکتے ہیں۔ جو کلیسائیں اس قسم کے تعاون میں حصہ لیتی ہیں وہ استادوں کی تنخواہوں اور اداروں کی مشترکہ سہولتوں کے مالی انتظام کی ذمہ دار ہوتی ہیں۔ ان سہولتوں میں کتب خانہ، جماعتوں کے کمرے اور دیگر ضروری لوازمات شامل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کلیسائیں اپنے اپنے ہوسٹل الگ قائم کرتی ہیں تاکہ ان کے طلبا اپنی خصوصی روایات کے مطابق عبادت وغیرہ کرسکیں اور تمام ادارے کی مشترکہ زندگی میں بھی حصہ لے سکیں۔

ادارے کے کالج کے استاد اپنے اپنے مضامین تمام طلبا کو پڑھاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا یہ بھی فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے فرقہ کے امیدواران تقرری کو ان کی خصوصی روایات کے مطابق تربیت کریں۔ یہ لازم ہے کہ طلبا زمانۂ تعلیم میں اپنی کلیساؤں میں عملی کام بھی کر سکیں۔

ج۔ وفاقی ادارے:

اس قسم کے اداروں کی ایک مثال سرامپور کالج ہے جو محدود طریقہ سے الحاق کے ذریعہ دینی تعلیم کا کام سرانجام دیتا ہے۔ لیکن اس کے استاد اور کتب خانہ مشترک نہیں ہیں اور جن اداروں کا اس کے ساتھ الحاق ہے وہ ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں۔

ممکن ہے کہ بعض کلیسائیں اور ادارے مندرجہ بالا دونوں قسم کے تعاون کے خواہاں نہ ہوں لیکن وہ اس بات کو ترجیح دیں کہ دیگر

اداروں کے ساتھ وفاقی رشتہ پیدا کریں۔ اس کا یہ مطلب ہوگا کہ مختلف ادارے الگ الگ اپنا نظم و نسق بطور خود مختار اداروں کے کریں گے لیکن وہ ایک دوسرے کے متصل ایک ہی مقام پر واقع ہوں گے تاکہ تمام طلبا ان مضامین میں اکٹھے درس حاصل کرسکیں جن کو اکٹھے پڑھانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ مختلف ادارے ایک دوسرے کے کتب خانوں سے بھی استفادہ حاصل کرسکیں گے۔ اس قسم کے وفاقی اداروں کا فائدہ بیان کا محتاج نہیں ہے۔ اس بات کا فیصلہ کہ یہ ادارے کن مقامات پر واقع ہوں ان مشنوں اور کلیساؤں کے ہاتھوں میں چھوڑ دینا چاہئے جو اس قسم کی موافقت کے رشتہ میں حصہ لینا چاہتی ہیں۔

باب ہفتم

تعلیم دینیات کا خاکہ

ہندوستان میں تعلیم دینیات کے جس خاکہ کا اس باب میں ذکر کیا جائے گا وہ کسی ایک شخص کے غور و فکر کا نتیجہ نہیں بلکہ جیسا اس رسالہ کی تمہید میں بتایا گیا ہے وہ مختلف وفدوں کی کمیشنوں کے کام کا نتیجہ ہے جنہوں نے ۱۹۳۷ء میں ہندوستان

کے طول و عرض میں جا کر دینیات کے اداروں کا معائنہ کیا اور تمام مشنوں اور کلیساؤں کے ادیبوں اور پیشواؤں کے ساتھ اس معاملہ پر بحث و تمحیص کرنے کے بعد اپنی رپورٹیں لکھیں جن کو نیشنل کرسچین کونسل کی دینیات کی کمیٹی نے یکجا کر کے کونسل کے اجلاس میں پیش کیا اس اجلاس نے ان کو منظور کیا اور حکم دیا کہ ان کو ایک آخری رپورٹ کی شکل میں شائع کیا جائے۔

اس باب میں ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے جو محض ایک ڈھانچہ ہے مسکین کیا اس کی خشک ہڈیاں زندہ ہو سکتی ہیں؟ اس سوال کا جواب مشنوں اور کلیساؤں کے ہاتھوں میں ہے کیا وہ اس بات کے لئے تیار ہیں کہ ان خشک ہڈیوں پر گوشت اور نسیں چڑھا دیں؟ (۲) خاکہ میں موزوں ادل بدل اور تصرف یا جرح و تعدیل کی گنجائش ہے کیونکہ دینیات کی تعلیم و تربیت کے کسی خاکے کو ٹھوس، جامد اور غیر متبدل نہیں ہونا چاہیئے۔ اس خاکہ کے تین حصے ہیں:-

پہلے حصے میں مختلف رقبوں کے دینیات کے مدرسوں پر بحث کی گئی ہے۔

دوسرے حصے کا تعلق دینیات کے کالجوں کے ساتھ ہے

تیسرے حصے میں علمی تحقیق و تدقیق پر بحث کی گئی ہے۔

فصل اوّل

دینیات کے مدرسے

نیشنل کرسچین کونسل نے ۱۹۴۳ء میں یہ تجویز پیش کی تھی، کہ مشنوں اور کلیساؤں کو چاہیئے کہ ہندوستان کے جس خطے میں ایک زبان بولی جاتی ہے اس رقبہ کی حدود کے اندر ایل۔ ٹی۔ ایچ کے درجہ کا صرف ایک متحدہ مدرسۂ دینیات قائم کریں جس میں دیسی زبان میں تعلیم دی جائے۔ تعلیم دینیات کی کمیٹی نے اس پر غور کیا کہ ان مدرسوں کی تعداد تیرہ سے زیادہ نہیں ہونی چاہیئے اور ان کو فلاں فلاں مقامات میں کھولنا چاہیئے۔ اس عرصہ میں مختلف جگہوں میں تعاون اور اتحاد پر بحث ہوتی رہی لیکن کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا اس رپورٹ کے باب چہارم میں ہم ان مدرسوں کی موجودہ حالت بتلا چکے ہیں۔ اس جگہ ہم یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ ہندوستان کے جس حصے میں ایک زبان بولی جاتی ہے اس رقبہ کے حدود کے اندر ایک دینیات کا مدرسہ تعاون اور اتحاد کے طریق عمل کی بنیاد پر قائم ہونا چاہیئے۔

(الف) مدرسوں کی تعداد اور تعین مقام۔ ہمارے

تجویز یہ ہے کہ ہندوستان میں بارہ مدرسے ہونے چاہئیں۔ جن کا تعلق ذیل کی زبانوں کے ساتھ ہو:-

(۱) بنگالی (۲) گجراتی (۳) ہندی (۴) کنیری (۵) ملے آلم (۶) مرہٹی (۷) ہندی۔ آزادوں منڈاری وغیرہ (۸) اڑیہ (۹) سنتالی (۱۰) تامل (۱۱) تیلگو (۱۲) اردو۔

آسام کے صوبہ میں زبانوں کا اس قدر اختلاف ہے کہ صرف انگریزی کے وسیلے ہی تعلیم دی جا سکتی ہے۔ پس آسام کی مشنوں اور کلیساؤں کو چاہئے کہ وہاں اشتراک عمل کر کے ایک ایسا مدرسہ دینیات کھولیں جس میں انگریزی کے ذریعہ تعلیم دی جائے ہمیں امید ہے کہ ملک برما میں اس رپورٹ کے بنیادی اصول کا خیال رکھ کر مدرسہ دینیات کی تعلیم کا انتظام کیا جائے گا۔ غالباً لنکا اپنے خادمانِ دین کو تقرری سے پہلے ہندوستان بھیجا کرے گا۔

ان مدرسوں کو کن مقاموں میں کھولنا چاہئے؟ نئے اتحادی مدرسوں کے مقامات کا تعین کرتے وقت قدرتی طور پر یہ خیال آتا ہے کہ وہ ایسے مقاموں میں ہونے چاہئیں جہاں موجودہ ادارے قائم ہیں۔ کیونکہ وہاں جائداد عمارات اور دیگر لوازمات مہیا ہوتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات ایسے مقامات اتحادی اداروں کے لئے موزوں نہیں ہوتے کیونکہ وہاں کسی ایک ہی قسم کی کلیسیا اور کلیسیائی نظام و روایات کا غلبہ ہوتا ہے۔ بالعموم اتحادی اداروں کو ایسی جگہوں میں قائم کرنا چاہئے۔ جہاں کسی خاص کلیسیائی نظام و روایات کا غلبہ نہ ہو اور ایسے موقعے بہم پہنچ سکتے ہوں

جن سے اتحاد کرنے والی کلیسیائیں آزادانہ طور پر ایک نئے انتظام میں شریک ہو سکیں۔ مدرسوں کے مقام کا تعین کرتے وقت اس بات کا خاص لحاظ رکھنا چاہئے کہ اتحادی کلیسیاؤں سے طلبا آسانی سے ایسی جگہوں پر آ جا سکیں جہاں وہ اپنی کلیسیاؤں میں بھی کام کرنے کا تجربہ بھی حاصل کر سکیں۔

(ب) مدرسوں کا عملہ اور جماعت

تعلیم دینیات کی کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ کسی مدرسے میں چالیس سے زیادہ طلبا ایک وقت میں نہیں ہونے چاہئیں آج کل صرف ایک مدرسہ تیلیگو ملک میں ہے جس میں امیدواران تقرری کی تعداد چالیس سے زیادہ ہے۔ اکثر رقبوں اور خطوں میں طلبا کی تعداد بہت کم ہے اور اس بات کی ضرورت ہے کہ اس تعداد میں کوشش کر کے اضافہ کیا جائے۔ جہاں کلیسیاؤں کا شمار اعداد کے لحاظ سے کم ہے وہاں اگر سہ سالہ کورس ہو تو تین سالوں میں ایک دفعہ طلبا کا داخلہ ہونا چاہئے۔ دیگر مقامات میں داخلہ سالانہ ہونا چاہئے۔

جس مدرسہ میں سہ سالہ داخلے ہوں اور صرف ایک جماعت ہو وہاں کم از کم چار اساتذہ عملہ پر ہونے چاہئیں لیکن جن مدرسوں میں داخلے سالانہ ہوتے ہیں وہاں اساتذہ کی تعداد کم از کم چھ ہونی چاہئے۔ امیدواران تقرری کی پڑھائی کے علاوہ ان کی بیبیوں کی بھی باقاعدہ تعلیم و تربیت ہونی لازم ہے۔ جن مدرسوں میں شادی

شدہ طلبہ کی رہائش کا انتظام ہے وہاں کم ازکم ایک قابل عورت استانی ہونی چاہیئے جو اپنا تمام وقت عورتوں کی جماعت اور کام میں صرف کرے

(ج) ذریعۂ تعلیم: دینیات کے مدرسوں میں تعلیم اس زبان میں دینی چاہیئے جو اس صوبہ میں عام طور پر بولی جاتی ہے۔ بعض ایسے خطے ہیں (مثلاً پنجاب اور چھوٹا ناگپور) جن میں ایک سے زیادہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ایسے علاقوں میں اس زبان کو تعلیم کا ذریعہ بنانا چاہیئے جو عموماً اسکولوں میں استعمال کی جاتی ہے مثلاً پنجاب میں اردو اور بہار میں ہندی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے۔

جو ادارے اعلیٰ پایہ کی تعلیم دینا چاہتے ہیں ان کے لئے دیسی زبانوں میں تعلیم دینے کی راہ میں تین مختلف مشکلات درپیش ہیں ایک ذہنی اور دو عملی قسم کی ہیں۔

(۱) پہلی مشکل یہ ہے کہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ سما گیا ہے کہ جو تعلیم انگریزی زبان کے وسیلے دی جاتی ہے وہ اس تعلیم سے اعلیٰ ہے جو دیسی زبانوں میں دی جاتی ہے یہ محض خام خیالی ہے اس تجویز سے ہمارا یہ ارادہ نہیں کہ مدرسوں میں کالجوں سے گھٹیا قسم کی تعلیم دی جائے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ذریعۂ تعلیم مختلف ہو۔ بعض لوگوں کے دماغوں میں یہ خیال بیٹھ گیا ہوا ہے کہ جو طلبا مدرسوں میں جاتے ہیں وہ گھٹیا قسم کے ہوتے ہیں اور جو کالجوں میں بھیجے جاتے ہیں وہ اعلےٰ قسم کے ہوتے ہیں۔ یہ بھی خام خیالی ہے۔ کیونکہ ہم سب جانتے ہیں کہ بعض قابل طلبا کی مالی

حالت ان کو یہ اجازت نہیں دیتی کہ وہ میٹریکولیشن کے بعد کالجوں میں تعلیم حاصل کر سکیں اور بعض نالائق طلبا میٹریکولیشن کے امتحان کے بعد کالجوں میں تعلیم حاصل کر لیتے ہیں۔ ہندوستان کے موجودہ حالات میں یہ محض ایک اتفاق کی بات ہوتی ہے۔ دینیات کے استادوں کا یہ تجربہ ہے کہ بعض اوقات قابل میٹریکولیشن پاس طلبا گریجوایٹوں سے بہتر اور زیادہ قابل ہوتے ہیں۔ ایسے لائق اشخاص دینیات کے علم اور فہم میں بلند معیار حاصل کر سکتے ہیں۔

ہمیں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ اب ہندوستانی رائے عامہ یہی ہے کہ تعلیم کا ذریعہ دیسی زبان ہونی چاہیئے۔ ہم نے سطور بالا میں سارجنٹ رپورٹ کا ذکر کیا ہے اس میں سفارش کی گئی ہے کہ ہائی سکولوں میں تعلیم کا ذریعہ مادری زبان ہونی چاہیئے۔ ہندوستان کے بعض صوبوں میں اس پر عمل بھی کیا جا رہا ہے۔ حیدرآباد کی عثمانیہ یونیورسٹی میں اردو زبان کے ذریعہ تمام جماعتوں میں تعلیم دی جاتی ہے۔ مختلف صوبوں کے سکولوں اور کالجوں میں دیسی زبانیں ترقی کر رہی ہیں پس ان باتوں سے یہ ذہنی مشکل بھی رفع ہو جائے گی۔

(۲) دوسری مشکل یہ ہے کہ دینیات کی درسی کتابیں بہت کم ہیں۔ اگرچہ مسیحی علم ادب نے گزشتہ چند سالوں میں اچھی خاصی ترقی کر لی ہے تاہم ہندوستان کے ہر رقبہ میں دیسی زبانوں میں دینیات کی ایسی کتابیں دستیاب نہیں ہوتیں۔ جن کو مدرسوں کے نصاب میں داخل کیا جا سکے۔ پس چار و ناچار ہمیں انگریزی کتابوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ لہذا لازم ہے کہ دینیات میں قابلیت حاصل کرنے کی خاطر مدرسوں کے طلبا

انگریزی پڑھ سکیں۔ تاکہ وہ انگریزی دینیات کی کتابوں سے فائدہ اٹھا سکیں۔ تجویز یہ ہے کہ طلبا کو ان کی مادری زبانوں کے ذریعہ تعلیم دی جائے اور طلبا کو انگریزی کتابیں پڑھنے کو دی جائیں لیکن طلبا اپنے خیالات کو صرف اپنی دیسی زبانوں میں ہی ظاہر کیا کریں۔ اس مقصد کو سرانجام دینے کے لئے لازم ہے کہ اُستادوں کو ان زبانوں پر عبور حاصل ہو اور طلبا میں انگریزی کتابیں پڑھ کر ان کو سمجھنے کی اہلیت ہو۔ تجربہ کے ساتھ یہ دونوں لوازمات پورے ہو جائیں گے۔ اور وہ وقت جلد آئے گا جب ان مدرسوں کے اُستاد دیسی زبانوں میں دینیات کی درسی کتابیں تصنیف کر کے اس مشکل کو رفع کر سکیں گے۔

(۳) تیسری مشکل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اگر دینیات کے مدرسے مندرجہ بالا تجاویز کے مطابق ترقی کر گئے اور دیسی زبانوں میں اعلیٰ پیمانہ کی تعلیم ملے گی تو دینیات کے کالجوں کے کام پر اس کا اثر پڑے گا۔ ایک اور اعتراض کیا جاتا ہے کہ صوبائی مدرسوں کی وجہ سے امیدواران مقررہ میں تنگ نظری بڑھ جائے گی اور یہ بڑی بات ہے کیونکہ کلیسیا کو وسیع النظر ہونا ضروری ہے اور دینیات کے کالج اس تنگ نظری کا علاج ہیں۔

اس رپورٹ کی تجویز کے مطابق لازم ہے کہ مدرسوں کی تعلیم و تربیت کا معیار بلند ہو۔ اور کہ یہ مدرسے کسی طرح بھی کالجوں سے گھٹیا قسم کا کام نہ کریں۔ اس سے کالجوں کے کام پر اثر نہیں پڑیگا کیونکہ ان کو بھی اپنے علمی تحقیق و تفتیش کے ذرائع اور وسائل مستقبل

زمانہ میں زیادہ وسیع کرنے پڑینگے۔ کوئی شخص وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ تبدیلیاں کب رونما ہوں گی۔ لیکن دینیات کی تعلیم میں دو امور کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ اس رپورٹ کی تجویز کے مطابق دینیات کے کالجوں کا وجود لازمی ہے۔ ہندوستانی کلیسیا کو اس گہرے مطالعہ اور تحقیق و تدقیق اور تفتیش کی اشد ضرورت ہے جو یہ ادارے بہم پہنچا سکتے ہیں۔ اور وہ دینیات کے مدرسوں کے اُستادوں کو اس قابل بنا سکتے ہیں کہ وہ ادارے بھی کلیسیائی ضروریات کو بدرجہ احسن پورا کر سکیں۔ کیونکہ جب تک ان مدرسوں کی تعلیم و تربیت بہتر نہ ہو گی ہندوستانی کلیسیا کمزور رہے گی۔ اس رپورٹ کے خاکہ کی بنیاد یہی ہے کہ متحدہ طور پر فوری کوشش کرنی چاہیئے تاکہ دیسی زبانوں میں تعلیم و تربیت کا معیار جلد از جلد اعلےٰ پایہ کا ہو جائے۔ اور طلبا تکملہ کے طور پر دینیات کی انگریزی کتابوں کا مطالعہ کر سکیں۔

صوبائی مدرسوں کی تنگ نظری کا اعتراض وزن رکھتا ہے لیکن اُستادوں کی وسیع النظری اور ان کی پڑھائی کی جامعیت بہت حد تک اس تنگ نظری کا علاج کر سکے گی۔ علاوہ ازیں مختلف صوبائی مدرسوں میں میل جول اور دیگر تعلقات پیدا کئے جا سکتے ہیں پھر چونکہ سب طلبا انگریزی زبان سے واقف ہوں گے وہ اپنی دیسی زبانوں کی کوتاہیوں اور کمیوں کو پورا کر کے تنگ نظری کے پھندے سے رہائی حاصل کر سکیں گے۔ علاوہ ازیں سٹوڈنٹ موومنٹ کانفرنسوں اور دیگر آل انڈیا کانفرنسوں کی شمولیت ان کو وسیع النظر بنانے میں ممد و معاون ہو گی۔

(د) مدرسوں کا نصاب تعلیم

دینیات کے مدرسوں کا اصلی کام یہ ہے کہ وہ صرف
خادمانِ دین کو مسیحی خدمتگذاری کے کام کی تعلیم و تربیت دیں پس
لازم ہے کہ اس نکتہ کو ہمیشہ مدِنظر رکھا جائے اور کسی ایسے کام کو نہ اٹھایا
جائے جو بائبل سکولوں یا دینیات کے کالجوں کے ذریعہ بآسانی پورا
ہو سکتا ہے۔ ان مدرسوں کا نصب العین یہ ہونا چاہئے کہ ہم صرف
مسیحی خدمتگذاری کے کام کا ذمہ لیں گے اور اس کو بطرزِ احسن انجام
دیں گے۔

ہم یہاں تفصیلی طور پر نصاب تعلیم کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتے
جن اداروں کا سرامپور کے ایل۔ ٹی۔ ایچ کے ساتھ الحاق ہے وہ
سرامپور کی شرائط کے مطابق درس دیں گے۔ اس کے نصاب میں کافی
لچک موجود ہے لیکن لازم ہے کہ ہر حالت میں ادارہ کا سب مکمل
نصاب تعلیم کا مقصد ہو اور یہ نصاب کلیسیاؤں کے ذمہ داروں کی
صلاح اور رائے کے مطابق تیار کیا جائے۔

اس مراسلہ میں صرف ان اصولوں کا ذکر کیا جائے گا۔ جو امیدوارانِ
تقرر کے نصاب تعلیم کی بنیاد ہیں۔

(۱) امیدوارانِ تقرر کی تعلیم میں کس پہلو پر زیادہ زور دینا چاہئے؟
ان کے بلاوے کے پہلو پر یا ان کی فلاسفی اور تہذیبی پہلو پر؟ زمانہ حاضرہ
میں تعلیمی نصب العین میں دونوں قسمیں عموماً شامل ہوتی ہیں۔
انگریزی اداروں میں زیادہ زور عقاید۔ تاریخ کلیسیا۔ عہد عتیق اور

عہد جدید کے مطالعہ پر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ امیدوارانِ تقرر اپنی تعلیم و
تربیت کے زمانہ میں یہ مضامین اچھی طرح سیکھ سکتے ہیں۔ لیکن
مطالعہ سے فارغ ہونے کے بعد ان کو اتنی فرصت نہیں ملتی کہ وہ
ان مضامین کا بغور مطالعہ کر سکیں۔ اس کے برعکس جو مضامین ان
کے بلاوے کے متعلق ہیں۔ ان کا علم ان کو بعد میں بھی حاصل ہو سکتا
ہے۔ ہندوستان کے اداروں کے استاد اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ
نصاب تعلیم میں بائبل کے مطالعہ اور عقاید کی تعلیم کو مرکزی جگہ
ملنی چاہئے۔

اکثر اوقات اداروں کو کہا جاتا ہے کہ وہ دینیات کے علاوہ
تعلیم کے زمانہ میں امیدوارانِ تقرر کو دیگر ایسے مضامین بھی سکھائیں
جن کی دیہات کی کلیسیاؤں کو بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً زراعت اور
حفظانِ صحت وغیرہ تاکہ خادم الدین نہ صرف روحوں کا ڈاکٹر ہو بلکہ جسموں
کا بھی ہو۔ لیکن ایسے مضامین کو نصاب تعلیم میں داخل کرنے سے ادارے
مشکلوں میں پھنس جائیں گے۔ کورس خواہ مخواہ لمبا ہو جائیگا جو عملہ
کے استاد اور طالبعلموں کے قابو سے باہر ہو جائیگا۔ فرصت کی
قلت کی وجہ سے ان کے اصل مطالعہ پر اثر پڑے گا اور وہ کتب مقدس
سے واقفیت نامہ اور عقاید کا کما حقہٗ مطالعہ حاصل نہ کر سکیں گے

ان مدرسوں کا کورس کم از کم سہ سالہ ہونا چاہئے اگرچہ
چار سال کا نصاب زیادہ اچھا ہوگا۔ تین چار سال کے اندر طالبعلم بمشکل
علم دینیات سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے ہر امیدوار تقرر کے
لئے مقدم بات یہ ہے کہ اس کو خدا کی انجیل کی نجات کا ذاتی تجربہ ہو

اور اپنی حق شناسی کے ساتھ ساتھ وہ خدا کی خدمت کے لئے اپنی زندگی کے ہر شعبہ کو مخصوص کرے۔ اس کی تعلیم و تربیت کا تمام دار و مدار ان دو اصول پر ہونا چاہئے کہ وہ دینیات کے علم کی کما حقہٗ واقفیت حاصل کرے اور اپنی زندگی کی تقدیس کرے۔ اس کے نصاب تعلیم کو ان دو اصولوں کے ماتحت منتخب کرنا چاہئے۔

(۲) مدرسہ میں داخل ہونے سے پہلے طلبا کی تعلیم کا معیار کیا ہونا چاہئے؟ ہم کہہ چکے ہیں کہ طلبا کو کم از کم میٹرکولیشن پاس ہونا چاہئے۔ کیونکہ مدرسہ دینیات کی تعلیم سے وہ تب ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جب وہ بائبل شریف سے واقف ہونے کے علاوہ انگریزی زبان میں دینیات کی درسی کتابیں پڑھ سکتا ہو۔ عموماً میٹرکولیشن امتحان کا معیار اس قدر گر گیا ہے کہ مدرسوں کو داخلہ کا امتحان مقرر کرنا چاہئے تاکہ وہ صرف ان طلبا کو داخل کریں جو دینیات کا کورس پڑھنے کے اہل ہوں۔ بعض مدرسوں کو غالباً ایسا کرنا پڑے گا کہ دینیات کی تعلیم دینے سے پہلے وہ طلبا کو انگریزی پڑھنے کے قابل بنائیں۔ ایسے حالات میں ان اداروں کو چاہئے کہ وہ انگریزی کی تعلیم ادارہ کے عملہ کے ذمہ نہ کریں بلکہ ایسے طلبا کے لئے دوسرے اساتذہ مقرر کریں جن کی مدد سے وہ اپنی علمی قابلیت اور انگریزی کی مہارت بڑھا سکیں۔

(۳) نصاب کا اصل مغز کیا ہونا چاہئے؟ ہم کہہ چکے ہیں کہ ان مدرسوں کے نصاب تعلیم کی اصل غرض یہ نہیں کہ طلبا کو دینیات کا فلسفیانہ علم حاصل ہو یا ان کے طلبا ہر فن مولا بن جائیں۔ کلیسیا کو ایسے خادمانِ دین کی ضرورت ہے جو خدا کی نجات کا ذاتی علم رکھتے ہوں

خدا اور مسیح ان کے لئے سنی سنائی باتیں نہ ہوں بلکہ ان کو شخصی تجربہ ہونا چاہئے۔ پس دینیات کے مدرسوں کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ ایسے خادمانِ دین پیدا کریں جو خدا اور مسیحی نجات کا ذاتی تجربہ رکھتے ہوں اور جو اس تجربہ کو مطالعہ اور عبادت کے ذریعہ ترقی دینے کے اہل ہوں۔ اور خدا کے کلام کی منادی اور ساکرامنٹوں کی ادائیگی سے اپنے لوگوں کو قدس الاقداس میں لانے کے قابل ہوں اور ہر حالت اور ہر درجہ کے آدمیوں کے سامنے انجیل جلیل کا جانفزا پیغام پیش کر سکتے ہوں۔ مدرسوں کا فرض ہے کہ اپنے متعلمین کو درس و مطالعہ کے ذریعہ دینیات کی شاخوں سے اس حد سے واقف کرائیں کہ دوران تعلیم میں اور مطالعہ سے فارغ ہو کر بھی ان میں مطالعہ کا شوق اور ذوق جاری ہو جائے۔

کتاب مقدس کا مطالعہ

تامبرم کانفرنس نے اس بات پر خاص زور دیا ہے کہ مدرسوں کا پہلا اور مقدم فرض یہ ہے کہ امیدوارانِ تقرر کتاب مقدس سے کما حقہٗ واقفیت حاصل کریں اور ان کو بائبل شریف کا عام طور پر اور خاص طور پر اچھی طرح علم حاصل ہو۔ ہر شخص یہ تسلیم کرنے کو تیار ہو گا کہ دینیات کے علم کی بنیاد کتاب مقدس کا علم ہے۔ بائبل کے خاص علم سے ہماری مراد یہ ہے کہ ان کو کتب مقدسہ کے دیباچے، ان کے اصول تفسیر اور اصول تنقید کی واقفیت ہو۔ بعض کتب کا مفصل مطالعہ کرنا چاہئے اور جہاں تک ہو سکے بائبل کے بڑے بڑے حصوں میں سے ایک کتاب کا مفصل مطالعہ کروا

چاہیئے۔ اس کے علاوہ سہ سالہ کورس کے دوران میں تمام کی تمام
بائبل پر طلبہ کا امتحان ہونا چاہیئے اور کورس کا زیادہ حصہ امیدوار کو
خود تیار کرنا چاہیئے اور نصاب کا انتظام اس طور پر کرنا چاہیئے کہ
اس کو تیاری کرنے کے لئے کافی مہلت اور وقت مل سکے۔

زبان کا مطالعہ: کیا مدرسوں میں کتب مقدسہ کی اصلی
زبانیں عبرانی اور یونانی پڑھانی چاہییں؟ اس سوال کے جواب میں
اختلاف رائے ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بہت کم ہندوستانی طلبہ
بی۔ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد بھی ان زبانوں سے واقفیت
تامہ رکھتے ہیں پس نصاب تعلیم میں یہ زبانیں شامل نہیں کرنا چاہیئے۔ دیگر
اشخاص کا خیال ہے کہ زباندان طلبہ کے لئے یہ زریں موقعہ ہوتا ہے
پس عبرانی اور یونانی کو نصاب میں ضرور ہونا چاہیئے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان
زبانوں کی جبری تعلیم نہیں ہونی چاہیئے بلکہ یہ مضمون اختیاری ہونے
چاہئیں تاکہ جن طلبہ کو خدا نے زباندانی کا ملکہ عطا کیا ہے وہ ان سے
فائدہ اٹھا سکیں۔ ان مضامین کے مطالعہ کا یہ بھی فائدہ ہوگا کہ ہندوستانی
کلیسیا میں ایسا گروہ پیدا ہو جائے گا جو کتب مقدسہ کو دیسی زبانوں
میں ترجمہ کر سکے گا اور ان پر تفسیریں لکھ سکے گا اور دینیات کی کتب تصنیف
کر سکے گا۔

ان زبانوں کے علاوہ مدرسوں میں دیسی زبانوں کی باقاعدہ
تعلیم ہونی چاہیئے اس سے دو فائدے ہوں گے۔
اول ہر ایک طالب علم کو اپنے ملک کی مذہبی کتب اور دیگر مسلم الثبوت

استادوں کی مستند کتب سے جو ٹکسالی زبان میں لکھی ہوں گی واقفیت
حاصل ہو جائے گی۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک نیا
مجموعہ منتخب کرنا پڑے گا۔ کیونکہ یونیورسٹیوں اور سکولوں کے موجودہ
نصاب ہمارے مطلب کے نہیں ہیں۔
دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ طلبہ اپنے خیالات کا اظہار ٹکسالی زبان میں
کر سکیں گے اور ان باتوں کو جو وہ انگریزی کی کتابوں سے حاصل کریں گے
دیسی زبانوں میں اچھی طرح ادا کر سکیں گے۔ اس مقصد کو حاصل
کرنے کے لئے طلبہ کو مختلف مضامین پر مقالات لکھنے چاہییں جن کو استاد
شاگردوں کے ساتھ اکٹھے بیٹھ کر درست کریں۔ اس طریق درس سے
استادوں اور شاگردوں دونوں کو فائدہ حاصل ہوگا۔ شاگردوں
کو ترجمہ کرنے کی مشق بھی باقاعدہ کرانی چاہیئے تاکہ وہ اس مشکل ہنر کو سیکھ
سکیں۔ اس سے یہ فائدہ بھی مترتب ہوگا کہ بعض طلبا ترجمہ کے کام میں
اس قدر مستعد اور تجربہ کار ہو جائیں گے کہ وہ دینیات کی اصطلاحات
کا دیسی زبانوں میں ایسا ترجمہ کر سکیں گے جو اصل لفظ کے
مفہوم کے مطابق ہوگا۔

تاریخ کلیسیا لنڈزے کمیشن نے یہ سفارش کی تھی کہ
ہندوستان کے ہر مشن کالج میں تاریخ کو مرکزی جگہ ملنی چاہیئے تاکہ طلبہ
پر یہ ظاہر ہو جائے کہ تمام مذاہب یکساں نہیں ہیں۔ اگر تو مسیحی مذہب
اور دیگر مذاہب میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ اس امر کے خیال
میں تاریخ کا مطالعہ حدیث اور عقیدہ جبر کہ انسان فاعل مختار نہیں ہے)

کے مذہب کو باطل ثابت کرے گا اور یوں طلبا پر افراد کی وقعت اور
شخصیت کی قدر و منزلت ظاہر ہو جائے گی۔ خادمانِ دین کی تعلیم و
تربیت پر جو رپورٹ چرچ آف انگلینڈ کے لیے لکھی گئی ہے وہ اس بات
پر اصرار کرتی ہے کہ "تاریخ کلیسیا کو دینیات کے نصاب میں خاص
جگہ ملنی چاہیے تاکہ طالب علم خدا کی کلیسیا کی نشوونما اور ترقی کے
اصول کو بخوبی جان سکے۔ وہ کلیسیا کی عبادت کی اقسام اور عقاید کی
تاریخ سے واقفیت حاصل کر سکے اور ان اصول کا اطلاق اپنے کام
اور اپنی جماعت پر تعلیم اور وعظ کے دوران میں کر سکے۔"
پروفیسر فاسٹر نے خوب کہا ہے کہ "تاریخ کلیسیا نصاب کے
دیگر مضامین کی طرح ایک مضمون نہیں بلکہ ہر مضمون کا پس منظر ہے۔"
ہم ہندوستانی کلیسیا نے اس کی طرف مطلق خیال نہیں کیا۔
اکثر طلبہ تاریخ دنیا سے بے بہرہ ہوتے ہیں اور اس الٰہی انتظام سے
ناواقف ہوتے ہیں جو صدیوں کی تاریخ کا مطالعہ انسان پر ظاہر کر دیتا
ہے۔ وہ تاریخی مطالعہ کے طریقوں سے ناآشنا اور تاریخی شہادت کو
جانچنے کے ناقابل ہوتے ہیں۔ ہندوستان کے دینیات کے اداروں
میں اگر تاریخ کلیسیا پڑھائی بھی جاتی ہے تو طلبا کو صرف پرانی دقیانوسی
قسم کے مباحثوں۔ مناقشوں اور بدعتوں سے واقف کرایا جاتا ہے۔
لیکن وہ دورِ حاضرہ کی تاریخ کے خیالات سے ناعلم ہوتے
ہیں۔ اگر تاریخ کلیسیا دورِ حاضرہ تک پڑھائی جائے اور ہندوستانی
کلیسیا کی موجودہ ضروریات کے ساتھ متعلق کی جائے تو یقیناً یہ ایک
قابلِ قدر بات ہوگی۔ پس اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ تاریخ کلیسیا کو

دینیات کے مدرسوں میں مرکزی جگہ دی جائے۔ طلبا کے لئے دقت
یہ ہے کہ دیسی زبانوں میں "تاریخ کلیسیا" پر کتابیں میسر نہیں ہو سکتیں۔
ہندوستانی کلیسیا کی "تاریخ" کو کل کلیسیائے جامع کی "تاریخ" سے
متعلق کرنا چاہیے۔ اور تمام مضامین کو تاریخی پس منظر کی روشنی
میں پڑھانا چاہیے۔ یہ بھی مناسب ہوگا کہ طلبا کو کہا جائے کہ وہ
اپنے اپنے علاقہ کی کلیسیاؤں کی تاریخ کا خاص مطالعہ کر کے تحقیق
و تفتیش کریں۔

مسیحی عقاید

اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ عقائد اور دینیات
کی تعلیم کی بنیاد کتاب مقدس ہونی چاہیے۔ پس طلبا کو چاہیے کہ
مسیحی عقائد کا بائبل شریف کے محاورات کے مطابق مطالعہ کریں
اور جس جس رنگ ڈھنگ اور وضع میں وہ گذشتہ صدیوں میں تسلیم
کئے گئے ہیں ان سے واقفیت حاصل کر کے ان کو ہندوستان کی
ضروریات سے متعلق کریں۔ ہمیں خبردار رہنا چاہیے کہ ایسا کرتے
وقت ہم ہندوستان کے غیر مسیحی مذاہب کے تصورات اور اصطلاحات
کو بغیر سوچے سمجھے دینیات میں داخل نہ کریں۔ علاوہ ازیں علم الاخلاق
کی دینیات کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ خادم الدین کو عملی
کام میں اس کے ساتھ ہر وقت سابقہ پڑے گا۔
مسیحی عقاید کی تعلیم کو کورس کے کس سال میں شروع کرنا چاہیے؟
بعض کا خیال ہے کہ مسیحی عقائد طلبا کو ان کے دوسرے سال میں سکھانے
چاہئیں تاکہ پہلے سال میں بائبل کی داغ بیل پڑ جائے اور طلبہ

پہلے سال میں انگریزی زبان سے بھی اچھی طرح واقف ہو کر دینیات کی انگریزی کتب کا دوسرے سال میں مطالعہ کرنے کے قابل ہو جائیں۔
بعض اہل الرائے کا یہ خیال ہے کہ مسیحی عقائد کا مضمون اس قدر وسیع ہے کہ اس کا مطالعہ پہلے سال سے ہی شروع کر دینا چاہئے۔

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ مسیحی عقاید کی تعلیم کے معاملہ میں تمام کلیسائیں اشتراکِ عمل کر سکتی ہیں۔ لیکن اس بات کا خاص لحاظ رکھنا چاہئے کہ ایسے اتحادِ عمل سے کلیساؤں کے اختلافات کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ کیونکہ عقاید عبادت کی زندگی کا اظہار ہوتے ہیں۔ پس ان متحدہ اداروں میں ایسا انتظام ہونا چاہئے کہ طلبہ مسیحی عقائد کا اس شکل اور صورت میں بھی مطالعہ کر سکیں جو ان کی کلیسائیں مانتی ہیں۔

غیر مسیحی مذاہب

دینیات کے مدرسوں کے طلبا غیر مسیحی مذاہب سے حد درجہ ناواقف ہوتے ہیں وہ بالعموم آریہ سماج کے اصول یا گیتا یا قرآن کے مضامین سے مطلق واقف نہیں ہوتے۔ ان مذاہب کے پڑھانے سے دو مقصد حاصل ہوتے ہیں:

اوّل۔ یہ کہ وہ رگ وید۔ گیتا یا قرآن کے مضامین سے واقف ہو جائیں اور دوم کہ ان مذاہب کے پیرو دورِ حاضرہ کی روشنی میں ان کتب کی کیا تاویلیں کرتے ہیں۔ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ طلبا غیر مسیحیوں کے درمیان بشارت کے کام کو بھی سرانجام دیں۔

ان مذاہب کے علاوہ طلبا کو چاہئے کہ وہ اشتراکیت، فطری اخلاقیات اور اشتمالیت وغیرہ کے اصول سے بھی واقفیت حاصل

کریں۔

چوپانی امور اور وعظ

اس مضمون کی تعلیم صرف جماعت کے کمرے کی چار دیواری تک ہی محدود نہیں رکھنی چاہئے۔ کیونکہ اس کا تعلق عمل کے ساتھ ہے واجب ہے کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبا کو دیہات میں یا مدرسہ کے آس پاس کی کلیساؤں میں عملی کام کے لئے بھیجا جائے تاکہ ان کو تجربہ بھی حاصل ہوتا جائے۔ اس عملی کام کو ان کلیساؤں کی صلاح اور مشورہ کے مطابق کرنا چاہئے جو اپنے طلبا کو متحدہ اداروں میں بھیجتی ہیں۔ اگر ان کلیساؤں کے لیڈر مدرسوں میں باقاعدہ آیا جایا کریں تو یہ دونوں کے لئے مفید ہوگا۔

عبادت

عبادت کی تعلیم و تربیت مدرسہ کے نصاب تعلیم کی بنیاد ہونی چاہئے۔ ہندوستانی طلبا اس بات میں خاص طور پر کمزور ہوتے ہیں۔ کلیساؤں کی نماز کی کتابوں کا مطالعہ فائدہ بخش ہوگا۔ بالخصوص جس زمانہ کی نمازوں کا مطالعہ جب کلیسیا ابھی غیر منقسم تھی اور مشرق و مغرب کی کلیساؤں میں نمازوں کی مستند کتابیں لکھی گئی تھیں۔

جب ایک متحدہ ادارہ میں مختلف روایات کی کلیسائیں عبادت کریں گی تو ان کے اختلافات ادا کے حسن کو دوبالا کر دیں گے۔ اور طلبا ایک دوسرے کی طرز عبادت سے اچھی طرح واقف ہو کر اس

سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے تاہم ہمیں متحدہ اداروں کی
مشکلات کا صحیح اندازہ کرنا چاہئے۔ پس یہ مناسب ہوگا کہ جو کلیسیائیں
اپنی عبادتیں الگ کرنا چاہتی ہیں ان کو ایسا کرنے کی آزادی دیجائے

پڑھائی کے اوقات

اس بات پر اتفاق رائے ہے، کہ
مندرجہ بالا تمام مضامین کو مدرسوں میں پڑھانا چاہئے۔ لیکن عام
طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ ان مدرسوں میں پڑھائی پر بہت زور دیا جاتا
ہے اور استاد اور طلبا دونوں اس بوجھ تلے دبے رہتے ہیں بالخصوص
طلبا کو اتنی فرصت نہیں ملتی کہ وہ وقت نکال کر کسی مضمون کا خود
مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیں اور آزادانہ رائے قائم کر سکیں۔ پس
مناسب ہے کہ نقشۂ اوقات بناتے وقت اس بات کا خاص لحاظ
رکھا جائے کہ ایک ہفتے میں پندرہ گھنٹوں سے زیادہ جماعتوں میں
تعلیم نہ دی جائے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ روزانہ یا تو ایک گھنٹے کی
ایک جماعت ہو اور کل تین جماعتیں ہوں اور یا پینتالیس منٹ کی
ایک جماعت ہو اور کل چار جماعتیں ہوں۔ اوقات اور جماعتوں کو
محدود کرنے کا ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ مدرسوں میں مضامین کثرت
سے نہیں پڑھائے جائیں گے اور جو مضامین پڑھائے جائینگے
وہ مکمل اور جامع طور پر پڑھائے جائیں گے۔

اختیاری مضامین

مندرجہ بالا مضامین کے
علاوہ ایسے مضامین بھی ہیں جن کو (اگر وقت اجازت دے) تو اختیاری

مضامین کے طور پر پڑھایا جا سکتا ہے۔
مثلاً علم النفسیات کا مضمون پڑھنے سے طلبا کو بہت فائدہ ہوگا۔
لیکن اگر کسی مدرسہ میں داخلہ کی یہ شرط ہو کہ طلبہ پہلے ٹیچر کی سند
حاصل کر چکے ہوں تو اس مضمون کا پڑھانا ضروری نہیں ہوگا۔ اسی
طرح مذہبی تعلیم کے مضمون کا پڑھانا فائدہ مند ہے کیونکہ اس سے
سنڈے سکولوں اور بائبل کلاسوں وغیرہ کے پڑھانے میں طلبا کو مدد
ملتی ہے۔ ہندوستان کی قدیم ادبی زبانوں کا مطالعہ بھی خالی از فائدہ
نہیں ہے کیونکہ اس طرح طلبا سنسکرت فارسی عربی وغیرہ سے
روشناس ہو جاتے ہیں اور جن طلبا کو خدا نے زباندانی کا ملکہ عطا کیا
ہے ان کے لئے یہ مطالعہ از حد سود مند ہوگا۔ پھر حساب کتاب
رکھنے کا علم۔ کاروباری امور کا علم اور قانونی نکات کا مطالعہ بھی کرنا
اچھا ہے اور خادم دین کے وقت بوقت کام آتا ہے۔ لیکن اس بات
میں اختلاف رائے ہے کہ آیا ان مضامین کو مدرسۂ دینیات میں
پڑھانا چاہئے یا نہیں؟ اس سوال کا فیصلہ ہر ادارہ خود کر سکتا ہے۔
خاتمہ میں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نصاب تعلیم کا فائدہ تب ہو
سکتا ہے جب اساتذہ اور طلبا میں حد درجے کا میل جول اور رابطہ
اتحاد و محبت ہو اور دونوں عبادت اور خدمت میں یکساں طور پر
شریک ہوں۔ دینیات کی کمیٹی نے اس بات پر زور دیا ہے۔ کہ
خادمان دین کی بیویوں کی تعلیم و تربیت ہونی چاہئے۔ واجب ہے
کہ جو مشنیں یا کلیسیائیں امیدواران تقرر کو مدرسوں میں مطالعہ
کے لئے بھیجتی ہیں، وہ ان کی بیویوں کی نسبت بھی معلوم کریں کہ آیا

وہ خادمانِ دین کی بیویاں بننے کے لائق ہیں یا نہیں اور اپنے شوہروں کے کام اور فرائض کے سرانجام دینے میں ان کی مدد و معاون ہو سکتی ہیں یا نہیں۔ یہ معلوم کرنا چاہئے کہ ان کی تعلیم اور لیاقت کیا ہے اُن کے کتنے بچے ہیں اور ان کی دیگر مالی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ اُمیدوارانِ تقرر کی بیویوں کو بھی ان کے شوہروں کے زمانہ تربیت میں تعلیم و تربیت حاصل کرنی چاہئے اور ادارہ کے عملہ پر ایسی عورتیں ہونی چاہئیں جو اپنا تمام وقت ان کی تعلیم و تربیت میں صرف کریں۔

(ھ) مفصل سفارشات

سطور بالا میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ ہندوستان کے ہر خطہ میں جہاں ایک زبان بولی جاتی ہے۔ ایک اتحادی مدرسۂ دینیات ہونا چاہئے۔ پس لازم ہے کہ ہر خطہ کی مشنیں اور کلیسیائیں باہمدگر صلاح اور مشورہ کر کے اشتراک عمل کی تجویزیں نکالیں تاکہ ہر خطہ میں ایک اتحادی ادارہ قائم ہو جائے۔ بعض مقامات میں کلیسیائیں اس معاملہ میں مشورہ کر رہی ہیں۔ لیکن جہاں ابھی تک یہ نہیں ہوا وہاں کی کرسچن کونسل کو اس طرف قدم اٹھانا چاہئے تاکہ جلد از جلد تمام کلیسیاؤں اور مشنوں کے نمائندے اس معاملہ میں باہم صلاح و مشورہ کر سکیں۔

نیشنل کرسچن کونسل کی تعلیم دینیات کی کمیٹی نے ہر خطہ کے لئے ذیل کی مفصل سفارشیں کی ہیں:-

(۱) **بنگالی**: کمیٹی کی یہ سفارش ہے کہ ایک متحدہ مدرسہ

دینیات جلد از جلد شروع کر دیا جائے اور عارضی طور پر ڈاناگھاٹ کا ادارہ اس متحدہ مدرسہ کی بنیاد ہو۔ ہمیں امید ہے کہ یہ مدرسہ ۱۹۴۵ء میں کھل جائے گا۔

(۲) **گجراتی**: کمیٹی کی یہ سفارش ہے کہ گجرات یونائیٹڈ سکول آف تھیالوجی کو گجراتی رقبہ کے لئے متحدہ مدرسۂ دینیات قرار دے دیا جائے اور اس کو اعلےٰ پایہ کا مدرسہ بنایا جائے اور کلیسیائے ہند و برما و لنکا کو دعوت دی جائے کہ وہ اس میں اشتراک عمل کرے اور متحدہ ادارے کے عملہ پر ایک استاد بہم پہنچائے۔ اب اس بات کا انتظام کیا جا رہا ہے کہ ان تمام سفارشات پر عمل کیا جائے۔

(۳) **ہندی**: کمیٹی نے اس بڑے خطہ کی مختلف ضروریات کو مدنظر رکھ کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ اصل قدیم باشندوں کے لئے الگ ادارہ ہو اور باقی لوگوں کے لئے جو ہندی بولتے ہیں دوسرا الگ ادارہ ہو۔ ان کے لئے یہ سفارش کی گئی ہے کہ اندور یونین تھیولاجیکل سیمنری کو متحدہ مدرسہ بنایا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس میں صرف امیدواران تقرر کی تعلیم و تربیت ہوگی۔ پس اس میں مناوؤں کے لئے گنجائش نہیں ہوگی لازم ہے کہ اس ادارے کے عملہ کو مضبوط کیا جائے اور تعاون کے طریق عمل کو وسیع کیا جائے۔

(۴) **ہندی** (اوراؤں۔ منڈاری وغیرہ) ان قدیم باشندوں کے لئے یہ سفارش کی گئی ہے کہ گاسنر ایوینجیلیکل لوتھرن چرچ اور کلیسیائے ہند و برما و لنکا وفاقی بنا پر اتحاد کریں اور ہندی زبان کے وسیلے تعلیم دی جائے اور ساتھ ہی قدیم باشندوں کی زبانوں کا خیال

رکھا جائے۔

(۵) **کینیری**: اس خطہ میں ثمینہ یونین کینیری سیمنری کو بائبل سکول کے درجے سے بڑھ کر دینیات کے مدرسہ کا درجہ دیا جائے اور اس کو تمام خطہ کے لئے متحدہ سکول بنایا جائے۔ اس خطہ میں ایسے حالات رونما ہو گئے ہیں کہ چند سالوں تک اس میں منادوں کو بھی تعلیم دینی ہو گی لیکن یہ ایک عارضی بات ہے۔ ہم کو امید ہے کہ بائبل مشن ثمینہ مشن کے ساتھ اشتراک عمل کر سکے گا۔

(۶) **طے آلم**: اس خطہ میں ۱۹۲۳ء سے لندن مشنری سوسائٹی بائبل مشن۔ مارتوما شامی کلیسیا اور کلیسیائے ہند و برما و لنکا ایک متحدہ مدرسۂ دینیات میں شریک ہیں۔ کمیٹی اس بات کو نظر استحسان دیکھتی ہے اور مدرسہ کی توجہ ذیل کے امور کی طرف مبذول کرتی ہے۔

اول: اگر مدرسہ میں مارتوما کلیسیا اور کلیسیائے ہند و برما و لنکا کے طلباء کی عبادت کا الگ انتظام ہو تو یہ متحدہ ادارہ زیادہ مستحکم اور پائیدار ہو گا۔ پس ایسا انتظام ہونا چاہیے کہ ان دونوں کلیسیاؤں کے طلباء اپنی روایات کے مطابق عبادت کر سکیں اور اپنے طریقوں کے مطابق عقاید کی تعلیم حاصل کر سکیں۔

دوم۔ مختلف اقسام کی تعلیم و تربیت کی بجائے تعلیم صرف ایک قسم کی ہونی چاہیے اور موجودہ مدد کے کورس کا انتظام کسی اور جگہ ہونا چاہیے۔

سوم یعقوبی شامی کلیسیا کے ساتھ تعاون کا امکان مدنظر رکھنا

چاہیے۔ پس سیمنری کی کونسل سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مدرسہ کی از سر نو تنظیم کریں۔

چہارم۔ مدرسہ کے مقام کے موزوں ہونے کے سوال پر غور کریں۔

(۷) **مرہٹی**: اس خطہ میں صرف ایک مدرسۂ دینیات ہونا چاہیے جو اعلیٰ پیمانہ کا ادارہ ہو۔ اس متحدہ مدرسہ میں انیگلیکن طرز عبادت کے لئے موزوں انتظام ہونا چاہیے۔ لیکن مدرسہ کا مقام فی الحال زیر غور رہے۔

(۸) **آندھرا**: کمیٹی اس تجویز کی حامی ہے کہ کٹاک کے کرسچن ٹریننگ کالج کو اس خطہ کے لئے متحدہ مدرسۂ دینیات بنایا جائے اور یہ خیال ظاہر کرتی ہے کہ لوتھرن کلیسیا کو دعوت دی جائے کہ وہ وفاق بنا پر تعاون کرے اور کوٹاپٹم کو بائبل سکول بنایا جائے۔

(۹) **سنتالی**: کمیٹی کا یہ خیال ہے کہ جب تک سنتالیوں کی تعلیمی حالت بہتر نہ ہو اس خطہ میں مدرسۂ دینیات کا وجود ناممکن ہے پس وظائف وغیرہ کے ذریعہ کوشش کرنی چاہیے کہ سنتالی لڑکے اعلیٰ سکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کریں۔ فی الحال تجربہ کے طور پر ڈمکہ میں سنتالیوں کے لئے ایک بائبل سکول کھولا جائے۔ اور اگر یہ تجربہ کامیاب ثابت ہو تو اس کو مدرسہ کے درجے تک کر دیا جائے اور مستقبل زمانہ میں قابل سنتالیوں کو دینیات کے کالجوں میں تعلیم و تربیت کے لئے بھیجا جائے تاکہ وہ وسیع النظر ہو سکیں۔

(۱۰) **تامل**: کمیٹی کا یہ خیال ہے کہ اس تمام خطہ کے لئے صرف ایک

متحدہ مدرسہ دینیات کی ضرورت ہے جو بہترین پیمانہ پر چلایا جائے۔
مدراس کرسچن کونسل نے اس سوال پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی
مقرر کی جس سے اشتراک عمل کی نسبت گرانقدر مشورہ ہو رہی ہے۔

(۱۱) **ٹیلیگو**: کمیٹی اس تجویز کی حمایت کرتی ہے کہ بیزواڑہ کے
قریب ایک متحدہ مدرسہ دینیات ہونا چاہئے۔ پس تمام مشنوں اور
کلیسیاؤں کو اس بات پر غور کرنا چاہئے اور کسی کلیسیا کو ایسا قدم
اٹھانا نہیں چاہئے جو اس تجویز کے خلاف ہو۔ کمیٹی ساؤتھ انڈیا یونائیٹڈ
چرچ اور میتھوڈسٹ چرچ سے درخواست کرتی ہے کہ اگر وہ
ادارے بنانے سے پہلے وہ متحدہ ادارے کی تجویز پر سوچ بچار کریں
جو بیپٹسٹ ادارے کے ساتھ وفاقی طور پر اتحاد کرے۔
کلیسیائے ہند، برما و لنکا سے اور امریکن ایونجیلیکل لوتھرن چرچ
سے درخواست کرتی ہے کہ وہ اپنے اداروں کو بیزواڑہ کے قریب
کھولنے کے امکان پر غور کریں تاکہ دیگر اداروں کے ساتھ وفاقی
قسم کا اتحاد ہو سکے۔

(۱۲) **اردو**: کمیٹی کا یہ خیال ہے کہ اس تمام خطہ کا نصب العین یہ ہونا
چاہئے کہ اس میں صرف ایک مدرسہ دینیات قائم ہو جو وسیع اشتراک
عمل کی بنا پر ہو۔ اس ادارہ کو کسی مرکزی مقام میں واقع ہونا چاہئے۔
اس نصب العین کی راہ میں جو رکاوٹیں حائل ہیں ان کو پیش نظر
رکھ کر کمیٹی سفارش کرتی ہے کہ:۔

اول: بریلی، لکھنؤ اور سہارنپور کے اداروں کو تقویت
پہنچائی جائے تاکہ وہ اس معیار کو حاصل کر سکیں جو دینیات کے مدرسوں

کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔

دوم: ڈسکہ ڈوینٹی سکول کو گوجرانوالہ یا سہارنپور کے ساتھ
اشتراک عمل کر لینا چاہئے۔

سوم: اردو زبان کے خطہ کی مشنوں اور کلیسیاؤں کے سامنے
ایک جامع اور محیط تعاون کا نصب العین ہمیشہ رہنا چاہئے۔ اور
ہر طرح سے کوشش کرنی چاہئے کہ جونہی حالات اجازت دیں
اس نصب العین پر عمل کیا جائے۔

(۱۳) **خاص خطے**: آسام۔ کمیٹی یہ سفارش کرتی ہے کہ
جورہاٹ اور چیراپونجی کے کام کو یکجا کیا جائے اور تمام وسائل
و ذرائع کو اس غرض کے لئے اکٹھا کر کے ایک مدرسہ قائم کیا جائے۔
اس مقام کے حالات کو مدنظر رکھ کر کمیٹی کا یہ خیال ہے کہ تعلیم انگریزی
زبان کے ذریعہ دی جائے۔

(۱۴) **برما**۔ یہ کمیٹی برما کمیٹی کی توجہ ان اصول کی طرف مبذول
کرتی ہے جو دینیات کے مدرسوں کی بنا ہیں اور امید کرتی ہے کہ
خادمان دین کی تعلیم و تربیت کے معاملہ میں ان اصول کو مدنظر
رکھا جائے گا۔

فصل دوم

دینیات کے کالج

آج کل پانچ دینیات کے کالج ہیں جو طلبا کو بی۔ ڈی۔ کی ڈگری کے لئے یا اس کے برابر کسی سند کے لئے تیار کرتے ہیں:-

(۱) بشپ کالج کلکتہ

(۲) لیونارڈ تھیولاجیکل کالج۔ جبلپور

(۳) لوتھر گری تھیولاجیکل سیمنری راجہ منڈری

(۴) سیرامپور کالج۔ سیرامپور

(۵) یونائیٹڈ تھیولاجیکل کالج بنگلور

نیشنل کرسچن کونسل کی دینیات کی کمیٹی کے خیال میں یہ تعداد کافی ہے لیکن اس کی یہ رائے ہے کہ موجودہ کالجوں کو اشتراک عمل کی بنا پر چلانا چاہئے تاکہ ان کا کام زیادہ وسیع اور موثر پیمانہ پر ہو۔ ان پانچوں کالجوں کے متعلق ہم سفارش کرتے ہیں کہ:-

(اوّل) کوئی طالب علم ان میں داخل نہ کیا جائے جس نے کم از کم الیف۔ اے کی یا اس کے برابر کی کوئی سند حاصل نہ کی ہو۔

(دوم) ان کالجوں کی انتظامیہ مجلس مغربی ممالک میں نہ ہو بلکہ ہندوستان

میں ہی ہو۔ اور اس مجلس کو کلی اختیارات حاصل ہوں۔

(سوم) تعاون کرنے والی کلیسائیں اور مشنیں ان کالجوں کی مدد نقدی سے کریں اور اگر کسی سوسائٹی نے ان کے عملہ پر کوئی مشنری دیا ہو تو اس کا انتخاب کرنا سوسائٹی کے ہاتھ میں نہ ہو بلکہ کالجوں کی انتظامیہ مجلس کے ہاتھوں میں ہو۔

ذیل کی سفارشات مختلف کالجوں کے لئے ہیں:-

(۱) **بشپ کالج کلکتہ**: یہ کالج مدت تک کلیسیائے ہندوستان برما۔ لنکا کا آل انڈیا کالج دینیات رہے گا۔ لیکن کمیٹی یہ سفارش کرتی ہے کہ یہ کالج سیرامپور کے ساتھ وفاقی قسم کا اتحاد پیدا کرے۔ اور چونکہ ہو چکا ہے کہ اس کالج کا سیرامپور کے ساتھ الحاق ہو گیا ہے۔ کمیٹی یہ سفارش کرتی ہے کہ سیرامپور میں ایک ہوسٹل قائم کرنے کے لئے سرمایہ محفوظ کیا جائے جس کا نام ان بشپ کالج ہو۔ تاکہ جو طلبا مزید مطالعہ اور تحقیق کے لئے سیرامپور جائیں وہ اس ہوسٹل میں رہائش اختیار کر سکیں۔

(۲) **لیونارڈ تھیولاجیکل کالج جبلپور**: اس کالج کی انتظامیہ مجلس نے ہماری سفارش پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے کہ یہ ایک متحدہ ادارہ ہو جائے اور وہ دیگر مشنوں اور کلیسیاؤں کے ساتھ کامل تعاون کے متعلق خط و کتابت کر رہی ہے۔

(۳) **لوتھر گری تھیولاجیکل سیمنری**: اس ادارہ کا وہ

شعبہ جس کا تعلق کالج کے ساتھ ہے بنگلور میں منتقل ہو جانا چاہیے کہ وہاں کے یونائیٹڈ تھیولاجیکل کالج کے ساتھ وفاقی قسم کا اتحاد پیدا کرے۔ کمیٹی کے خیال میں کلیسیائے ہندو برما و لنکا کو بھی چاہیے کہ بنگلور کے کالج کے ساتھ وفاقی تعلق پیدا کرے۔

(۴) **سرامپور کالج سرامپور:** ہندوستان کی تمام مشنوں اور کلیسیاؤں کا یہ فرض ہے کہ اس کالج کی ہر طرح سے مالی امداد کریں تاکہ اس کالج کی کونسل انگلستان سے ہندوستان میں منتقل ہو سکے بعض مشنوں اور کلیسیاؤں کو اس کالج کی جماعت عاملہ پر نمائندگی حاصل ہے اگرچہ وہ کالج کی مالی امداد نہیں کرتیں۔ واجب ہے کہ ایسی تمام مشنیں اور کلیسیائیں کالج کی مالی امداد کریں۔

(۵) **یونائیٹڈ تھیولاجیکل کالج بنگلور:** سطور بالا میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ لوتھری کلیسیا اور کلیسیائے ہندوستان برما و لنکا کو چاہیے کہ اس کالج کے ساتھ وفاقی قسم کا اتحاد پیدا کریں۔

ان کالجوں کے متعلق ہم نے صرف تعاون، اشتراک عمل، مالی امداد اور کالجوں کے مقامات کا ہی ذکر کیا ہے تاکہ تعلیم دینیات کے آل انڈیا نظام میں وہ منظم ہو جائیں اس رپورٹ کا یہ مقصد نہیں کہ وہ کسی کالج کے اندرونی معاملات کا الگ الگ مفصل ذکر کرے۔ نصاب اور دیگر امور کا جو ذکر دینیات کے مدرسوں کے تحت میں کیا گیا ہے اس کا اطلاق کالجوں پر بھی ہوتا ہے۔ ان کالجوں میں نصاب تعلیم زیادہ تر وہی ہے

جو سرامپور نے بی۔ ڈی کی ڈگری کے لئے مقرر کیا ہوا ہے۔
ہم نے گذشتہ فصل میں اس تعلق کا بھی ذکر کیا ہے جو ان کالجوں اور دینیات کے مدرسوں کے درمیان ہونا چاہیے۔ ان کالجوں کا سب سے ضروری کام یہ ہے کہ مدرسوں کے لئے قابل ترین استاد بہم پہنچائیں اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مشنوں اور کلیسیاؤں پر واجب ہے کہ ان کالجوں کو مضبوط و مستحکم کریں۔

فصل سوئم

اعلیٰ دینیات کی تعلیم

ہندوستان کے سب حلقوں سے دو شکایات آتی ہیں۔
اوّل یہ کہ دینیات کے قابل ترین استادوں کا قحط ہے اور دوسری یہ ہے کہ ہندوستان کی زبانوں میں دینیات کی کتابوں کی کمی ہے۔ دونوں شکایتوں کی اصلی وجہ یہ ہے کہ ہم نے گزشتہ زمانہ میں دینیات کی اعلیٰ تعلیم کی طرف سے غفلت اور بے پروائی اختیار کر رکھی ہے۔ ہم نے بالعموم طلباء کو تحقیق اور مزید مطالعہ کرنے کا موقع نہیں دیا۔ مشنوں اور کلیسیاؤں میں قابل پیشواؤں اور ذمہ دار لیڈروں کی اس

نکلی ہے کہ ان کو جو شخص بھی بہت قابل نظر آیا انہوں نے اس کو
پاسبانی یا استادی کے کام پر نہ لگایا بلکہ اس کو مشن اور کلیسیا کے انتظام
کے کام پر لگا دیا جو ان کو مزید مطالعہ سے زیادہ ضروری اور اہم
معلوم ہوا اور تجربہ بتاتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی انتظامیہ کل کا پرزہ
بن جاتا ہے اس کے لئے مزید مطالعہ کے لئے وقت نکالنا
نہایت مشکل امر ہو جاتا ہے اس کا ایک بُرا نتیجہ یہ ہو گیا ہے کہ
منتظم کے کام کو پاسبانی کام پر فوقیت دی جاتی ہے اور یہ خیال کیا
جاتا ہے کہ منتظم کا درجہ بڑا ہوتا ہے اور واعظ اور پاسبان کا
درجہ چھوٹا ہوتا ہے اور یوں اس طریقہ کار نے نہ صرف کلیسیا کی
ذہنیت کو بگاڑ دیا ہے بلکہ کلیسیا کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے سے
بھی محروم کر دیا ہے۔

اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ قابل ترین اشخاص کی اعلیٰ تعلیم
کی طرف خاص توجہ دی جائے تاکہ دینیات کے مدرسے قائم اور استوار
ہو سکیں اور ان اداروں پر ایسے ہندوستانی استاد مقرر کئے جا
سکیں۔ جن کو پڑھانے میں خاص دسترس حاصل ہو مستقبل کے زمانہ
میں ایسے اشخاص کی تعداد بڑھتی جائے گی تاکہ تمام مدرسوں میں
لیاقت کا معیار بلند ہو جائے۔

ہندوستان کی کلیسیا کو ایسے اشخاص کی بھی اشد
ضرورت ہے جو نہ صرف قابل ہوں بلکہ تصنیف و تالیف کا کام بھی
کر سکیں تاکہ دیسی زبانوں میں دینیات کی کتب کی موجودہ کمی دور
ہو جائے۔ کلیسیا کو چاہئے کہ ان دو ضرورتوں کو ہمیشہ نگاہ میں رکھے

اور قابل ترین اشخاص کو ان کاموں پر مامور کرے۔ اس میں کچھ شک
نہیں کہ محض تجویزیں ایسے آدمی پیدا نہیں کر سکتیں لیکن یہ بھی سچ
ہے کہ ایسے آدمی تجویز و تدبیر کے بغیر پیدا بھی نہیں ہوتے۔ پس
ہمیں ایسی تدبیر کرنی چاہئے کہ قابل اشخاص کی حوصلہ افزائی کی جائے
مبادا ایسے اشخاص ہمارے ہاتھوں سے نکل کر زندگی کے دوسرے
شعبوں میں چلے جائیں۔

اعلیٰ تعلیم کی تحصیل کے لئے اور مزید مطالعہ اور تحقیق کے ذوق
کو بڑھانے اور پورا کرنے کے لئے فیاضی سے وظائف دینے چاہئیں
اور قابل ترین اشخاص کو تھوڑی مدت کے لئے ان کی پاسبانی اور
استادی کے فرائض سے سبکدوش کر کے اس کام کے لئے وقف کر
دینا چاہئے۔ اس کام کو بطرز احسن انجام دینے کے لئے علم کے مرکز
اور مہارت تامہ رکھنے والے استاد بہم پہنچانے چاہئیں۔ جو ایسے
قابل طلباء کے مزید مطالعہ میں امداد دے سکیں۔

(الف) مغربی ممالک میں تعلیم و تربیت:

زمانہ گذشتہ میں ہندوستانی مسیحی طلباء مغربی ممالک کو تعلیم
حاصل کرنے یا کوئی پیشہ سیکھنے کے لئے جاتے رہے ہیں۔ لیکن ان
میں سے بہت تھوڑے طلباء دینیات کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض
سے گئے ہیں اور جو گئے ہیں ان میں شاذ و نادر ہی کوئی ایسا ہو گا
جو پڑھانے کے کام میں مشغول ہو۔ اگر کسی شخص کو کسی کلیسیا یا مشن
نے انگلستان یا امریکہ بھیجا ہے تو کسی خاص کام کی تیاری کی غرض سے

بھیجا ہے بعض شخص کسی خاص مشنری یا ہندوستانی لیڈر کی کوشش کی وجہ سے گئے ہیں کبھی کبھار کوئی شخص اپنے خرچ پر یا کوئی وظیفہ حاصل کر کے یا کسی اور طریقہ سے گیا ہے تاکہ دینیات کی تعلیم حاصل کر سکے۔ لیکن ایسے شخص بہت کم ہیں جو تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہندوستانی کلیسیا میں خادم الدین کے عہدے پر مامور ہوئے ہیں تاکہ کلیسیا ان کی لیاقت اور تعلیم سے پورا فائدہ اٹھا سکے۔

نیشنل کرسچن کونسل کی دینیات کی کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ چیدہ اشخاص کو دینیات کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مغربی ممالک میں ضرور بھیجا چاہیئے۔ وہ یہ سفارش کرتی ہے کہ تجاویز اور تدابیر بنائی جائیں تاکہ اول ایسے مطالعہ کے مواقع وسیع پیمانے پر بہم پہنچائے جائیں اور دوم طلبا کو خاص قوانین و قواعد کے مطابق چن کر مغربی ممالک کو بھیجا جائے۔

(۱) واجب ہے کہ نیشنل کرسچن کونسل یہ معلوم کرے کہ موجودہ زمانہ میں دینیات کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مغربی ممالک میں کیا کیا سہولتیں ہیں۔ ایسے اداروں کی ایک فہرست تیار کی جائے جو ہندوستانی طلبا کو خاص مضامین میں مہارت تامہ حاصل کرنے میں مدد دے سکتے ہیں۔ اس فہرست میں شرائط و وظائف اور مالی امداد وغیرہ کا مفصل ذکر ہونا چاہیئے۔

(۲) کونسل کو چاہیئے کہ انٹرنیشنل مشنری کونسل اور مختلف ممالک کی مشنری کونسلوں کے ذریعہ اس بات کی تحقیق کرے کہ چند ہندوستانی طلبا کے لئے مغربی ممالک میں دینیات کی تعلیم حاصل کرنے کے کیا

امکانات ہیں اور ہندوستان کی کلیسیاؤں اور مشنوں کے ذریعہ اس تعلیم کو حاصل کرنے کے لئے مالی ذرائع پیدا کرے۔

(۳) واجب ہے کہ چیدہ طلبا کا انتخاب مشنوں کے ہاتھ میں نہ ہو۔ بلکہ کلیسیاؤں کے ہاتھ میں ہو۔ اور جب طلبا مطالعہ سے فارغ ہو کر واپس آئیں تو وہ کلیسیا کی خدمت ان شرائط کے مطابق کریں جو وہ عائد کرے۔

(۴) یورپ اور امریکہ کے دینیات کے کالجوں کو کہا جائے کہ وہ صرف ایسے طلبا کو تعلیم و تربیت کے لئے قبول کریں جن کی کوئی کلیسیا سفارش کرے اور طلبا کے ساتھ صرف اس کلیسیا کے ذریعہ یا نیشنل مشنری کونسل کے ذریعہ خط و کتابت کریں۔

(ب) بعد طیلسانی یا پوسٹ گریجوایٹ مطالعہ اور علمی تحقیق:

دینیات کی کمیٹی کا یہ خیال ہے کہ خود ہندوستان میں مزید مطالعہ اور تحقیق کی اشد ضرورت ہے اور اس کا عدم وجود کلیسیا کی ترقی میں حائل ہے پس لازم ہے کہ ذیل کے اقسام کے لئے انتظام کیا جائے:-

اول - ان طلبا کے لئے مزید مطالعہ کے مواقع بہم پہنچانے چاہئیں جو دینیات کے مدرسوں اور کالجوں میں استاد ہیں۔

دوم - غیر مسیحی مذاہب کے مطالعہ کی سہولتیں میسر ہونی چاہئیں

تاکہ ہندوستان کے غیر مسیحیوں کو مسیحیت کا پیغام ایسے الفاظ میں مل سکے جو وہ سمجھ سکیں۔
سوم مسیحی کتب کی تصنیف و تالیف۔

اعلیٰ دینیات کے استادوں کی تعلیم و تربیت۔

موجودہ زمانہ میں دینیات کے استاد کرایہ کے ٹٹو ہیں جن کو دینیات میں مہارت تامہ حاصل نہیں۔ ان کو اس بات کی فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ کسی مضمون کا بغور مطالعہ کر کے تدقیق و تحقیق کر سکیں۔ ان کو طالب علم بھی ایسے ملتے ہیں جن کی لیاقت اوسط درجے کی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ان کو کئی مضامین پڑھانے پڑتے ہیں جن میں سے کسی ایک سے بھی وہ کما حقہ واقف نہیں ہو سکتے۔ ہمیں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ مدرسۂ دینیات کے عملہ میں ایسے استاد ہوں جو اپنے مضامین میں ماہر ہوں اور جن کی مسلمہ لیاقت طلبا کے لئے بھی جوش کا باعث ہو سکے۔ ایسے استاد بہم پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے ملک میں دینیات کے مختلف شعبوں کا مطالعہ نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ہو۔ تاکہ ہر استاد اپنے مضمون میں استاد زمانہ ہو سکے۔
علاوہ ازیں یہ مناسب ہے کہ ہر استاد چند مدت کے لئے اپنے مضمون کا مطالعہ کرنے کے لئے ہمہ تن مصروف رہ سکے۔ اور اس کام کو پورا کرنے کے لئے اپنی تمام توجہ کو مجتمع کر سکے۔ ادارہ کے عملہ کے مشنری استاد یہ کام اپنی رخصت کے وقت کر لیتے ہیں جب وہ انگلستان یا امریکہ جاتے ہیں لیکن غریب ہندوستانی استادوں

کو اس قسم کی کوئی سہولت حاصل نہیں۔ لیکن اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے دینیات کے مدرسے مستحکم اور استوار ہوں تو ہمیں لازماً ایسا کرنا ہوگا۔ اس قسم کے مطالعہ سے ہندوستانی کلیسیا کے درمیان قابل استادوں طالب علموں اور مصنفوں کا لگاتار سلسلہ قائم ہو جائیگا۔
سرامپور کالج میں بی۔ ڈی آنرز اور ڈی۔ ڈی کی ڈگریوں کا انتظام موجود ہے لیکن تاحال بہت کم اشخاص نے یہ ڈگریاں حاصل کی ہیں لیکن ڈگری حاصل کرنے کی خاطر مطالعہ کرنا کوئی خاص قابل تعریف بات نہیں ہے ہم کو دینیات کے مطالعہ کی اصلی غرض کبھی نظرانداز نہیں کرنی چاہیے۔
اس اعلیٰ قسم کا مطالعہ شروع کرنے کی غرض سے دینیات کی کمیٹی نے یہ سفارش کی ہے کہ فی الحال چار مضامین کے مطالعہ کے لئے سہولتیں بہم پہنچائی جائیں تاکہ ہندوستانی استاد اُن کا مزید مطالعہ کر سکیں۔ اور وہ چار مضامین حسب ذیل ہیں:-

عہد عتیق۔ عہد جدید۔ تاریخ کلیسیا اور مسیحی عقائد

پس واجب ہے کہ نیشنل کرسچن کونسل سرامپور کالج کے ساتھ اور انٹرنیشنل مشنری کونسل کے ساتھ صلاح و مشورہ کر کے چار ایسے اشخاص کی خدمات کو حاصل کرے جو ان چاروں مضامین میں استاد زمانہ اور یگانۂ روزگار ہوں۔ خواہ وہ ہندوستان میں ہوں یا یورپ اور امریکہ سے ان کو اس خاص مقصد کے لئے برآمد کیا جائے۔ لیکن اگر وہ بیرونی ممالک سے آئیں تو ان کو ہندوستان کے حالات سے واقفیت حاصل ہونی چاہیے۔ ایسے اشخاص کی خدمات کو سرامپور کالج کی مجلس

علماء کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ ان کی قابلیتوں کے مطابق ان کو ایسے
مقامات پر بھیجیں جہاں ان کے وجود کا سب سے زیادہ فائدہ ہو
سکتا ہو۔ مختلف مشنوں اور کلیساؤں پر بھی لازم ہے کہ علمی تحقیق و
تفتیش کے لئے چیدہ چیدہ اشخاص کو منتخب کریں اور تعلیم و
تربیت کے زمانہ کے لئے ان کے ذریعہ معاش کا انتظام کریں۔

دوم۔ غیر مسیحی مذاہب کا مطالعہ

اسلام کے مطالعہ کے لئے ہنری مارٹن سکول موجود ہے لیکن اس
کے کام کی توسیع اور ترقی کی ضرورت ہے۔ مشنوں اور کلیساؤں کو چاہئے کہ
اس سکول کی زیادہ فیاضی سے امداد کریں اور اس سے جو سہولتیں میسر
ہیں ان سے فائدہ اٹھائیں۔ دینیات کی کمیٹی کی یہ سفارش ہے کہ
اس کا عملہ کافی ہونا چاہئے تاکہ اس کے استاد دینیات کے کالجوں
میں جاکر اسلام پر درس دے سکیں۔ اس کے عملہ کا ایک استاد
یونائیٹڈ تھیولاجیکل کالج بنگلور کے عملہ پر ہونا چاہئے یا کم از کم وہاں
جاکر اسے کچھ مدت کے لئے کالج میں رہنا چاہئے۔

دیگر غیر مسیحی مذاہب کے مطالعہ کے لئے کوئی بندوبست نہیں ہے۔
حال ہی میں ہندو مت گہری نیند سے پھر جاگ رہا ہے اور مسیحیت
کا مقابلہ کر رہا ہے۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہندو مت
جین مت۔ سکھ دھرم کے عقاید و رسوم وغیرہ سے کماحقہ واقفیت
بہم پہنچائی جائے۔ اگرچہ بنارس کا کرسچن سکول آف ہندوازم اس بارے
میں قابل تعریف کام کر رہا ہے اور اس کے اخبار "یاتری"

کے مقابلے قابل قدر ہوتے ہیں تاہم اس میں توسیع و ترقی کی بہت
گنجائش ہے اس کو ہنری مارٹن سکول کی لکیروں پر چلانا چاہئے۔
دینیات کی کمیٹی یہ پیش کرتی ہے کہ آغاز کے طور پر ایک
ہندوازم کا سکول کسی مسیحی ادارہ مثلاً دینیات کے کالج یا کسی مشن
کالج سے ملحق کر کے کھولا جائے جس میں کم از کم دو ماہر استاد
تمام وقت کام کرنے والے ہوں۔ نیشنل کرسچن کونسل انٹرنیشنل مشنری
کونسل کے ساتھ مل کر ایسا انتظام کرے کہ ایک عملہ پر ایک مشنری استاد
ہو اور دوسرا ہندوستانی استاد ہو۔ جس کے معاش کا انتظام اور دونوں
کی رہائش کا بندوبست کیا جائے۔ کونسل کو چاہئے کہ ہندوازم کے
سکول کے آغاز کرنے میں پہل کرے۔ اس بات کا فیصلہ کہ ایسے سکول
کا موجودہ کرسچن سکول آف ہندوازم کے ساتھ کیا تعلق ہو بعد
میں کیا جاسکتا ہے۔

سوم۔ مسیحی کتب کی تصنیف و تالیف

ہندوستان کے تمام کونوں سے یہی آواز آتی ہے کہ دیسی
زبانوں میں دینیات کی کتابوں کی کمی ہے۔ بعض زبانوں میں یہ کتابیں
ملتی ہی نہیں اور جن زبانوں میں ملتی ہیں وہ گھٹیا قسم کی کتابیں
ہیں جو پرانی طرز اور دقیانوسی خیالات سے پُر ہیں بعض کتابیں جو دستیاب
ہو سکتی ہیں یا تو محض ترجمہ ہیں جو عموماً انگریزی زبان میں کیا جاتا ہے
اور یا ان کی طرز تحریر ایسی ہے کہ آسانی سے کسی کی سمجھ میں نہیں آ
سکتی۔ بہرحال موجودہ کتابوں کی زیادہ تعداد ایسی ہے جو نہ استاد

کے کام آسکتی ہے ورنہ طالب علم کے کام آسکتی ہے۔

اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ دینیات کے ہر مضمون پر کتابیں دیسی زبانوں میں موجود ہوں۔ کلیسیا کے مختلف ادوار کے مستند مصنفین کی کتابیں ٹکسالی زبان میں ترجمہ کی جائیں اور یہ ضرورت تب ہی پوری ہو سکتی ہے جب ہندوستانی کلیسیا میں اعلیٰ ترین پایہ کے قابل اشخاص ہوں جو اپنی لیاقت اور قابلیت کو کلیسیا کی خدمت کے لئے وقف کر دیں۔ دینیات کی صحیح اصطلاحات کی ضرورت ہندوستان کے ہر صوبہ میں محسوس ہو رہی ہے اور یہ خدمت صرف وہی لوگ انجام دے سکتے ہیں جو نہ صرف زباندان ہیں بلکہ دینیات میں مہارت تامہ بھی رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ محض باتیں کرنے اور ریزولیوشن پاس کرنے سے نہیں ملتے۔ بلکہ اعلیٰ ترین قسم کی تعلیم و تربیت دئے جانے سے مہیا ہو سکتے ہیں۔

فصل چہارم

مالی ضروریات

اس خاکہ کی تجاویز کو عمل میں لانے کے لئے روپیہ درکار ہوگا۔ یہاں ہم صرف اشارے کے طور پر بتلا سکتے ہیں کہ کن طریقوں سے

روپیہ حاصل ہو سکتا ہے۔

اوّل۔ جہاں تک دینیات کے مدرسوں کا تعلق ہے اگر اتحاد عمل کرنے والے ادارے اپنے ذرائع آمدنی اور دیگر وسائل و ذرائع کو یکجا کر دیں تو فصل دوم کی تجاویز کے لئے جو روپیہ درکار ہے وہ بہت حد تک میسر ہو سکتا ہے۔ ہر رقبہ کی کمیٹی کو اس سوال پر غور کر کے معلوم کرنا چاہئے کہ اشتراک عمل سے کتنی ضرورت رفع ہو جاتی ہے اور سالانہ اخراجات اور دیگر باتوں کے لئے کس قدر روپیہ کی حاجت باقی رہ جاتی ہے۔

دوم۔ دینیات کے کالجوں کے متعلق جو تجاویز ہیں ان پر عمل کرنے کے لئے زر کثیر کی حاجت ہوگی۔ جہاں وفاقی قسم کا اتحاد ہوگا۔ ان مقامات میں چند مضامین کو اکٹھا پڑھانے سے روپیہ کی بچت ہو سکتی ہے لیکن ان اداروں کے لوازمات اور دیگر ضروریات پر بہت روپیہ خرچ ہوگا۔ ہر ادارہ کو چاہئے کہ ان تجاویز پر جو فصل سوم میں کی گئی ہیں غور کر کے دریافت کرے کہ اس کے متعلق جو تجویز کی گئی ہے اس کو پورا کرنے کے لئے کس قدر روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ بنگلور کے تھیولوجیکل کالج نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ اس سے متعلقہ تجاویز پر عمل کرنے کے لئے اس کو موجودہ ذرائع آمدنی کے علاوہ دو لاکھ روپیہ وقف کے لئے اور دو لاکھ دیگر اخراجات کے لئے درکار ہوگا۔

سوم۔ بعد طیلسانی یا پوسٹ گریجویٹ مطالعہ کے لئے چار اشخاص کی ضرورت ہوگی جو دینیات کے مضامین میں ماہر ہوں اور دو ایسے اشخاص کی ضرورت ہوگی جو مجوزہ سکول آف ہندوازم میں کام کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ ان کی تنخواہوں کے علاوہ رہائش کے مکانات کی اور

بھی قسم کے کتب خانہ کی ضرورت ہوگی تاکہ اعلیٰ پیمانہ پر تعلیم و تربیت ہو سکے
نیشنل کرسچن کونسل کو چاہئے کہ مسٹر میور کی مجلس عاملہ کے ساتھ صلاح
و مشورہ کرکے معلوم کرے کہ ان تجاویز پر عمل کرنے کے لئے کس قدر روپیہ
درکار ہوگا۔

چہارم۔ جب اس خاکہ کی تمام تجاویز کے مالی پہلو کا اندازہ لگایا
جائے گا اور یہ معلوم ہو سکے گا کہ تمام ذرائع آمدنی کو یکجا کرنے اور مشنوں
اور کلیسیاؤں کی امداد کے بعد کس قدر روپیہ کی حاجت ہوگی۔ تب
اس بات کی ضرورت ہوگی کہ روپیہ فراہم کرنے کے لئے ایک باقاعدہ
مہم شروع کی جائے اور ایک زبردست اپیل شائع کی جائے جو ذیل کے
اصول کے ماتحت ہو:۔

(۱) اپیل میں دینیات کی تعلیم کی تمام ضروریات کا ذکر ہونا چاہئے۔ اور
اس خاکہ کے مختلف حصص اور ان کی مختلف تجاویز کا مفصل ذکر ہونا چاہئے۔

(۲) ہر ادارہ کی ضروریات کا ذکر کرتے وقت نہ صرف موجودہ ضروریات
کا ذکر ہونا چاہئے بلکہ مستقبل زمانہ کی ضروریات کا ذکر کرنا بھی لازمی امر
ہے۔ کیونکہ ہمیں نہ صرف سالانہ اخراجات کی ضرورت ہوگی بلکہ وقف
آمدنی کی بھی حاجت ہوگی تاکہ موجودہ اور آئندہ زمانوں میں ہم ایک
ہی طریقہ عمل پر کاربند رہ سکیں۔

(۳) مختلف ضروریات کا ذکر کرتے وقت اس بات کا خاص لحاظ رکھا
جائے کہ وہ ضروریات مقدم لکھی جائیں جن کا تعلق کل ہندوستان کے
ساتھ ہے یا جن کی کسی ادارہ کو خاص طور پر سخت حاجت ہے یہ ظاہر ہے
کہ ایسے وسیع جامع اور محیط تجویز کے لئے روپیہ اور اشخاص دونوں درکار

ہوں گے اور ہندوستان کی کلیسیا اور مغرب کی مشنری سوسائٹیوں کو وسیع
پیمانہ پر قربانی کرنی پڑے گی۔ ہمیں واثق امید ہے کہ اگر کلیسیاؤں
اور مشنوں کو اس بات کا احساس ہو جائے کہ ہندوستان کو اعلیٰ ترین
قسم کی تعلیم و تربیت کی سخت حاجت ہے تو وہ دینیات کی تعلیم کو اعلیٰ
پیمانہ پر چلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گی۔ اس نصب العین
کو حاصل کرنے میں بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن ع

مشکلے نیست کہ آسان نشود

ہماری مساعی جمیلہ کی بنیاد استقلال پر قائم ہونی چاہئیں اور ہماری
کوششیں متفقہ ہونی چاہئیں کیونکہ ان کا تعلق ہندوستان کی کل
کلیسیا کی زندگی کے تمام شعبوں کے ساتھ ہے اور یہ تمام کلیسیا کی ذمہ
داری ہے جس کا اگلے باب میں ہم ذکر کریں گے۔

باب ہشتم

کلیسیا کی ذمہ داری

خادمانِ دین کی تعلیم و تربیت کا تعلق تمام کلیسیا کی زندگی کے ساتھ
وابستہ ہے لہٰذا کوئی تجویز کارگر نہیں ہو سکتی جب تک کلیسیا دل و جان
سے تعاون کرکے اس تجویز پر عمل کرنے کی کوشش نہ کرے اور تمام

ایماندار اپنی دعاؤں اور نذرانوں کے ذریعہ اس میں شریک کار رہ سکیں
دینیات کے ادارے اپنے فرائض کو ما حقہٗ طور پر تب ہی ادا کر سکتے ہیں
اگر کلیسیا اپنی ذمہ داری کو بطرزِ احسن پورا کرے۔ کلیسیا پانچ مختلف
طریقوں سے دینیات کے اداروں کو مستحکم اور استوار کر سکتی ہے۔

اول۔ اُمیدواران تقرر کیلئے بلند معیار قائم کرے۔

دوم۔ قابل امیدواروں کو بہم پہنچانے کے طریقے نکالے۔

سوم۔ طلبا کے گزارے اور نگرانی کے وسیلے پیدا کرے۔

چہارم۔ زمانۂ طالب علمی کے بعد خادمانِ دین کی نگرانی اور گزارے کی کفیل ہو۔

پنجم۔ دینیات کے اداروں کے عملہ اور دیگر لوازمات کو بہم پہنچائے۔

فصلِ اوّل

اُمیدوارانِ تقرر کے معیار

یہ ظاہر ہے کہ اگر کلیسیاؤں کی یہ خواہش ہے کہ اعلیٰ قسم کے خادمِ دین کا گروہ پیدا ہو جائے تو ان کو چند شرائط اور معیار قائم کرنے ہوں گے جن کے مطابق امیدوارانِ تقرر کا انتخاب ہو۔ واجب ہے کہ حالات کو مدنظر رکھ کر اعلیٰ ترین تعلیمی اور روحانی معیار قائم کرنے چاہئیں۔ اسکے

تصفیہ کے لئے مسیحی فرقوں اور کلیسیاؤں اور دینیات کے اداروں میں باہمی صلاح و مشورہ کی ضرورت ہے۔

یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی قسم کے معیار کو برقرار رکھنے کے لئے ہر کلیسیا تقرر کے امیدواروں کے انتخاب کے لئے ایک کمیٹی مقرر کرے جس کا خاص کام یہ ہو کہ ہر امیدوار کو فرداً فرداً آزمائے اور فیصلہ کرے کہ آیا امیدوار اس قابل ہے کہ اس کو تعلیم و تربیت دینے کے لئے دینیات کے کسی ادارہ میں بھیجا جائے۔ کلیسیا اپنے نمائندوں کے ذریعہ معلوم کرے کہ آیا وہ خدمتگذاری کے مقدس کام کے لئے فی الحقیقت خدا کی طرف سے بلایا گیا ہے یا نہیں۔ یہ مناسب ہے کہ کلیسیا کے ذمہ دار اشخاص شروع ہی میں اس بات کی تسلی کر لیں کہ امیدوار کا تعلیمی معیار کافی بلند ہے اور وہ کتابِ مقدس سے واقف ہے اور جسمانی طور پر وہ کام کرنے کے قابل ہے۔ ہر حالت میں ایسے لوگوں کی شہادت حاصل کرنی چاہئے جو امیدوار کی لیاقت اور خصائل سے بخوبی واقف ہوں۔ جب ان امور کیطرف سے ان کی تشفی ہو جائے تب اس کو دینیات کے ادارے میں بھیجا جائے۔ بعض کلیسیاؤں میں یہ رواج ہے کہ جس جگہ امیدوار رہتا ہے وہاں کی مقامی کلیسیائی کمیٹی کی رائے دریافت کی جاتی ہے۔ لازم ہے کہ ہر ممکن طریقہ سے یہ بات سفارش کرنے والوں کے ذہن نشین کرانی چاہئے کہ وہ ایک نہایت سنجیدہ ذمہ داری کو اپنی گردنوں پہ لیتے ہیں۔ ان کو یہ بتلانا چاہئے کہ امیدوار سے محض علیک سلیک اور واقفیت رکھنا کافی نہیں ہے اور امیدوار کی نیک چلنی اور کلیسیائی معاملات

ہیں بھیج لینا اس بات کا کافی ثبوت نہیں ہے کہ وہ خدمتگذاری کے
کام کے لائق ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ بہت جگہوں میں کلیسیا اس بات کی بہت
کوشش کرتی ہے کہ امیدواروں کی اچھی طرح چھان بین کی جائے لیکن پھر
بھی دینیات کے اداروں میں ایسے امیدواران تقرر داخل ہو جاتے ہیں
جن کو کلیسیا کے ذمہ دار اور با اختیار لوگوں نے نہیں آزمایا ہوتا۔ پس
یہ چھان بین ایسی ہونی چاہئے کہ جب کوئی امیدوار دینیات کے کسی ادارہ
میں جائے تو ادارہ کے عملہ کو اس بات کا اطمینان ہو کہ امیدوار کو واقعی
خدا کی طرف سے بلاہٹ آئی ہے اور وہ ہر پہلو سے تعلیم و تربیت پانے
کے قابل ہے۔ لازم ہے کہ یہ ادارے بھی اپنی طرف سے امیدواران تقرر
کے داخلہ کے معیار قائم کریں لیکن دراصل یہ کام کلیسیا ہی کا ہے کہ
وہ اس بات کا خاص لحاظ رکھیں کہ ان اداروں میں کوئی نااہل داخل
ہونے نہ پائے تاکہ ان اداروں کے طلبا صرف ایسے اشخاص ہوں جو
ہر طرح سے خدمتگذاری کے مقدس فرائض کو سرانجام دینے کے قابل
ہوں۔

فصل دوم

قابل امیدواروں کا بہم پہنچانا

ہم باب پنجم میں اس مضمون پر مفصل بحث کر چکے ہیں یہاں ہم صرف
اس بات پر زور دینا چاہتے ہیں کہ یہ کلیسیا کی ذمہ داری ہے کہ مسیحی
جماعتوں کو جتلائے کہ مسیحی خدمتگذاری کے کام کے لئے بہترین
قسم کے آدمیوں کی ضرورت ہے اور اس کام کے کرنے والوں کے
سامنے اونچے موقعے ہیں یہ لازمی بات ہے کہ خادمانِ دین کو بہم پہنچانے
کی خاطر جو وسائل اور طریقے استعمال کئے جائیں وہ کلیسیا کی طرف سے
ہوں۔

واجب ہے کہ ہر کلیسیا یہ معلوم کرے کہ اس کو اپنے کام کے چلانے
اور دس سال تک اس کی نشوونما اور ترقی کیلئے کتنے خادمانِ دین کی ضرورت
ہوگی اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اُسے ہر سال کتنے امیدواروں
کو تعلیم و تربیت دینے کے لئے بھیجنا ہوگا۔ اس اندازہ کے مطابق اس کو
ہمہ تن کوشش کرنی چاہئے کہ وہ صرف قابل امیدواروں کو بہم پہنچائے
اس میں کچھ شک نہیں کہ اس مقدس کام کے لئے بلانے والا خدا ہے
جو روح القدس کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں یہ امنگ پیدا کرتا ہے

لیکن کلیسیا کو بھی لازم ہے کہ وہ تن دہی سے مسیحی خاندانوں سکولوں کالجوں شخصی اپیلوں اور دیگر ذریعوں سے قابل نوجوانوں کو اس کام کے لئے ابھارے تاکہ وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں۔ جو کلیسیا اپنے فرض کو کما حقہٗ ادا کرے گی۔ خدا بھی اس کی دعاؤں کا جواب دے گا اور بہترین قسم کے خدمتگذار بندے پیدا کرے گا۔ لیکن جو کلیسیا اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہے گی اس کی امیدیں ہرگز بار آور نہیں ہو سکیں گی۔ اگر کلیسیا خادمانِ دین کے گروہ کو بہم پہنچانے کے لئے دانشمندانہ طریق عمل اختیار کرکے اس پر سرگرمی سے عمل کرنے کی کوشش کرے گی تو چند سالوں کے اندر اندر کلیسیا کی کایا پلٹ جائے گی۔

فصل سوم

طلبا کی نگرانی اور ذریعہ معاش کے مسائل

کلیسیا کی ذمہ داری امیدوارانِ تقرر کے انتخاب کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتی بلکہ یہ اس کی ذمہ داری کی ابتدا ہے۔ کلیسیا کا یہ فرض ہے کہ امیدواروں کے زمانہ تعلیم و تربیت کے لئے ان کے ذریعہ معاش کا انتظام کرے اور ان کے خاندانوں کے گزارے کا بھی بندوبست کرے۔ گزارہ اتنا ہونا چاہئے کہ ان کی خانگی ضروریات کے لئے کافی اور وافی ہو

اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ متحدہ ادارہ کے مختلف طلبا کو ایک ہی پیمانہ پر وظائف دیئے جائیں۔

علاوہ ازیں ہر کلیسیا کو ایسے بااختیار اشخاص مقرر کرنے چاہئیں جو تعلیم و تربیت کے زمانہ میں امیدوارانِ تقرر کے ساتھ میل ملاقات کریں ان کے ساتھ شخصی میل جول رکھیں اور اداروں سے ان کی تربیت اور ترقی کے متعلق رپورٹیں حاصل کریں تاکہ ان کو یہ تسلی ہو کہ امیدواروں کو خاطر خواہ تعلیم و تربیت مل رہی ہے۔ اس ذمہ داری کو دانائی اور ہوشیاری کے ساتھ پورا کرنا چاہئے تاکہ دینیات کے ادارے اپنے کام کو کلیسیا کی ضروریات کے مطابق پورا کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔

فصل چہارم

خادمانِ دین کی نگہداشت اور مطالعہ کا انتظام

(۱) مزید مطالعہ کی ضرورت

عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جب امیدوارانِ تقرر دینیات کے مدرسوں اور کالجوں سے فارغ ہو کر نکلتے ہیں تو وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اب ان کو مزید مطالعہ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ متعدد کلیسیائیں بھی اس بات کا کوئی انتظام نہیں کرتیں کہ جب کوئی شخص دینیات کے ادارے

سے باہر نکل آئے تو وہ کلیسیا کی نگہداشت میں مزید مطالعہ کر سکے۔ آرچ
بشپ کی رپورٹ یہ واجب خیال کرتی ہے کہ پریسبٹ کے عہدے پر مامور ہونے
کے بعد کم از کم دو سال تک ہر خادم دین کے مطالعہ کی نگرانی کی جائے کیونکہ
تقرر سے پہلے کا زمانہ بے حد مصروفیت کا زمانہ ہوتا ہے اور تقرر کے بعد کے
زمانہ کو تعلیم و تربیت کے زمانہ سے یا خدمتگزاری کے تمام مختلف پہلوؤں
سے متعلق نہیں کیا جاتا۔ کلیسیائے انگلستان میں ڈیکن اور پریسبٹ کے
عہدوں کے درمیانی زمانہ بھی تعلیم و تربیت کا زمانہ سمجھا جاتا ہے لیکن اب تجویز
یہ ہے کہ "پریسبٹ ہونے کے دو سال بعد تک بھی خادم دین کی تعلیم و تربیت،
مطالعہ اور نگرانی جاری رکھا جائے تاکہ وہ اپنی نئی ذمہ داریوں کو اچھی طرح
نبھا سکے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے آرچ بشپ کی کمیشن کی رپورٹ
تین تجویزیں پیش کرتی ہے جو کلیسیائے ہندوستان کے لئے بھی نہایت
موزوں ہیں:۔

"اول: یہ کہ ہر ایک علاقہ میں تعلیم و تربیت کا ایک ڈائرکٹر مقرر ہونا چاہئے
جو نئے خادمان دین کے حالات سے باخبر رہے۔

دوم: اس بات کا باقاعدہ انتظام ہونا چاہئے کہ خادمان دین کے لئے
جماعتیں قائم ہوں جن میں وہ اپنے مطالعہ کو جاری رکھ سکیں۔ اپنی یاد
کردہ باتوں کو دوبارہ تازہ کر سکیں اور خاص مضامین میں مہارت پیدا کر
سکیں۔

سوم: ہر خادم دین پریسبٹ ہونے کے بعد چند سالوں تک گاہے گاہے اپنے فرائض
سے سبکدوش کر دیا جائے تاکہ وہ تین ماہ تک کسی ایسے مقام میں رہائش
اختیار کر سکے جہاں وہ کسی کی زیر نگرانی اپنا مطالعہ جاری رکھ سکے۔ ہر

نئے خادمان دین کو چاہئے کہ وہ اپنی خدمتگزاری کے پہلے تین چار سال
اس بات کو بخوبی جاننے میں گزاریں کہ مسیحی عقائد اور تعلیم کا اطلاق اس کے
گرد و پیش کے حالات پر کس طرح ہو سکتا ہے۔ ان تمام باتوں میں اس کو
اس خادم دین کی امداد ملنی چاہئے جس کے ماتحت وہ کام کرتا ہے۔"

آرچ بشپ کے کمیشن کی طرح نیشنل کرسچن کونسل کی دینیات کی کمیٹی
بھی اس بات پر اصرار کرتی ہے کہ کلیسیا کا یہ فرض ہے کہ ایسا انتظام کرے کہ
نئے خادمان دین بالغ العلم ہونے کے بعد اپنے مطالعہ کو جاری رکھ سکیں اور
کسی کی نگرانی کے ماتحت مزید مطالعہ کر سکیں۔ بڑی کلیسیاؤں کو چاہئے
کہ اس کام کے لئے ڈائرکٹر مقرر کریں اور ہر چھوٹی بڑی کلیسیا کو چاہئے
کہ اپنی اپنی ضروریات کو مدنظر رکھ کر یہ کوشش کرے کہ ہر نیا خادم دین
نئے ماحول کے درمیان اپنے مطالعہ کی عادت کو جاری رکھ سکے اور اپنی
روحانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو نئے حالات کے مطابق کرنے کی صلاحیت
پیدا کر سکے۔ پس دینیات کی کمیٹی یہ سفارش کرتی ہے کہ:۔

(۱) ہندوستان کی کلیسیائیں ان طریقوں پر توجہ دیں جو برٹش میتھوڈسٹ
کلیسیا نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں رائج کئے ہوئے
ہیں۔ یہ کلیسیا امیدواران تقرر کو بالغ العلم ہونے کے بعد یعنی تقرر سے پہلے
چار سال تک زیر آزمائش رکھتی ہے۔ اور اس عرصہ میں ان سے عملی کام
لیتی ہے اور ساتھ ہی مطالعہ کے جاری رکھنے کے لئے ایک نصاب بھی
تجویز کرتی ہے اور ان کتابوں میں امتحان لیتی ہے جنوبی ہند میں ان کے
مطالعہ میں امداد کرنے والے مقرر کئے جاتے ہیں ان نصاب کی کتابوں
کے علاوہ ان سے کہا جاتا ہے کہ وہ دیگر کتابوں کا بھی مفصل مطالعہ

کریں اور دینیات کی ان تمام کتابوں کی فہرست پیش کریں جو انہوں نے
پڑھی ہیں۔ ہر نو آموز شخص کو زبانی طور پر سالانہ معائنہ کرانا پڑتا ہے
جس کی رپورٹ باقاعدہ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ کے سامنے پیش ہوتی ہے
اور تقرر سے پہلے ہر نو آموز امیدوار کے کام کی جانچ پڑتال کی جاتی
ہے اور اس کو بتلانا پڑتا ہے کہ اس کے دل کی تبدیلی کیسے ہوئی۔ اس
کو خدا کی طرف سے بلاوا کیسے آیا اور اس کا شخصی روحانی تجربہ کیا ہے
اس کو زبانی امتحان بھی دینا ہوتا ہے جس میں اس سے پوچھا جاتا ہے
کہ جن باتوں کو اس نے کتابوں میں پڑھا ہے ان کا اطلاق وہ اپنے روزمرہ
کے کام پر کس طرح کرے گا۔

اس طریقۂ کار سے نو آموز امیدواران تقرر کو یہ فائدہ حاصل
ہوتا ہے کہ وہ اپنے مطالعہ کو جاری رکھ سکتے ہیں اور ان کو کتابوں کے
پڑھنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ کلیسیا کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ہر امیدوار
تقرر کے بعد دوسروں کی بخوبی آزمائش ہو سکتی ہے اور کلیسیا کا ہر خادم
دین مسائل دین سے آگاہ ہو جاتا ہے اور سب خادمان دین کے
مطالعہ کا معیار بھی یکساں ہو جاتا ہے۔ اور ان میں مطالعہ کا ذوق
بڑھ جاتا ہے۔

(۶) دینیات کی کمیٹی مشنوں اور کلیسیاؤں سے پُرزور الفاظ میں سفارش
کرتی ہے کہ ہر لائق شخص کو مطالعہ سے فارغ ہونے کے پانچ سال کے
اندر ایک سال کے لئے کسی دینیات کے کالج میں مزید مطالعہ اور تحقیق
کے لئے بھیجا جائے۔ جن لوگوں کو خدا نے خاص قابلیت بخشی ہے۔ ان
کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کرنی چاہئے تاکہ ان کو اعلیٰ دینیات کا مطالعہ

کرنے کے موقعے بہم پہنچ سکیں۔ جب تک اس قسم کا طریقہ کار اختیار نہیں
کیا جائے گا ہندوستانی کلیسیا میں عالموں، استادوں اور مصنفوں کا
سلسلہ قائم نہیں ہو سکتا اور جیسا ہم کہہ چکے ہیں ایسے لوگوں کی کلیسیا کو
ضرورت ہے نیز اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وظائف اور معقول
مشاہرے دینے چاہئیں۔

(۳) معمولی قابلیت کے خادمان دین کی دماغی اور روحانی ضروریات
کو بھی ہمیں نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ خدمتگزاری کے کام میں دماغی اور
روحانی تکان نہایت خطرناک چیزیں ہیں۔ اگر خادمان دین اپنے اپنے
کونوں میں اکیلے پڑے دن رات کام میں مشغول رہیں گے تو ان کو دماغی اور
روحانی تازگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً ان شہروں اور گاؤں میں
جہاں مسیحی جماعت مختصر یا پسماندہ ہے اور فضا غیر مسیحی خیالات سے پُر
ہے۔ ایسی جگہوں میں ہمیں نہایت خبردار رہنا چاہئے۔

(۴) ہندوستانی خادمان دین کی مالی حالت اس قابل نہیں ہوتی کہ
وہ دینیات کی کتابیں خرید سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے پاس بہت
کم کتابیں ہوتی ہیں۔ پس اس بات کی ضرورت ہے کہ کتابیں خریدنے
میں یا کم از کم عاریتاً لینے میں ان کی مدد کی جائے۔ اس مقصد کو پورا کرنے
کے لئے یا تو کلیسیاؤں اور مشنوں کو ان کی مالی امداد کرنی چاہئے تاکہ
وہ رسالہ جات اور کتابیں خرید سکیں اور یا بہت سے خادمان دین اکٹھے مل کر ایک
کتب خانہ قائم کریں جن میں سے ہر شخص کتاب عاریتاً لے سکے۔ مشنوں
اور کلیسیاؤں کو چاہئے کہ اس قسم کے کتب خانے قائم کرنے میں ان کی
امداد کریں یا انڈین لٹریچر فنڈ کی کمیٹی جا بجا ایسے کتب خانے قائم کرے

جہاں سے ہر فرقہ کے خادمانِ دین کتابیں عاریتاً لے سکیں۔

(۵) خادمانِ دین کی داخلی اور روحانی تازگی کو برقرار رکھنے کے لئے دینیات کے اداروں کی امداد حاصل کرنی چاہئے۔ حتی الوسع ہر خادمِ دین کو مزید مطالعہ کے لئے دینیات کے اداروں میں رہائش اختیار کرنی چاہئے۔ ہر ادارہ میں اقامت کا انتظام ہونا چاہئے جہاں بیرونی خادمانِ دین اور طلبا آکر ٹھہر سکیں۔ اس طریقہ کار سے ادارہ طلبا کو اور خادمانِ دین دونوں کو فائدہ حاصل ہو گا۔ طلبا ایسے اشخاص سے میل ملاقات کر کے ان کے تجربہ سے فائدے حاصل کر سکیں گے اور خادمانِ دین نو آموز طلبا میں جوش پیدا کر سکیں گے اور ان کے جوشِ جوانی سے خود تازگی حاصل کر سکیں گے۔

علاوہ ازیں دینیات کے اداروں کو چاہئے کہ وقتاً فوقتاً اپنے قدیم طلبا اور خادمانِ دین کے لئے لیکچروں کا انتظام کیا کریں۔ لیونارڈ تھیولاجیکل کالج بنگلور ہر سال اس قسم کے لیکچروں کا انتظام کرتا ہے اور اس طرح اس کے طلبا کو اور خادمانِ دین کو ایک دوسرے سے ملاقات کرنے اور تبادلۂ خیالات کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ یہ کالج بعض خادمانِ دین کو سفر خرچ بھی دیتا ہے۔ پس کمیٹی یہ سفارش کرتی ہے کہ دینیات کے ادارے اس قسم کے لیکچروں کا انتظام کرنا اپنا فرض خیال کریں۔

(۶) تجربہ سے ظاہر ہے کہ جب تک کوئی مرکزی کمیٹی کسی تجویز کو اپنے ہاتھوں میں نہ لے اور اس کا مالی انتظام نہ کرے وہ تجویز عمل میں نہیں آ سکتی۔ پس دینیات کی کمیٹی تمام کلیسیاؤں سے اپیل کرتی

ہے۔ کہ اوّل ہر کلیسیا اپنے خادمانِ دین کے لئے اعتکاف کا انتظام کرے اور اگر ہو سکے تو دیگر کلیسیاؤں کے خادمانِ دین کو بھی جو ہے لگا ہے اس اعتکاف میں شریک ہونے کی دعوت دے۔ اور

دوم۔ ہر کلیسیا اپنے خادمانِ دین کے مزید مطالعہ کا انتظام کرے۔

فصلِ پنجم

خادمانِ دین کی پرورش کا انتظام

تامبرم کانفرنس کی رپورٹ سے یہ ظاہر ہے کہ خادمانِ دین کے گذارے کے متعلق کوئی خاص طریقِ عمل اختیار نہیں کیا جاتا اور نہ کوئی ایسا انتظام موجود ہے جس سے باقاعدہ طور پر کلیسیاؤں کی توجہ ان کی اس بھاری ذمہ داری کی طرف دلائی جائے۔ یہ بات بیان کی محتاج نہیں کہ اگر کلیسیا قابل خادمانِ دین چاہتی ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی تمام توجہ خادمانِ دین کی پرورش کے انتظام کی جانب مرکوز کرے۔

ستائیس مسیحی فرقوں نے اپنی رپورٹ نیشنل کرسچین کونسل کو بھیجی تھیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ گیارہ فرقوں کے خادمانِ دین کی پرورش کا انتظام ان کی مقامی کلیسیائیں کرتی ہیں اور سولہ فرقے اپنی مشنوں سے امداد بھی [illegible] لیتی ہیں تاکہ ان کے خادمانِ دین کی پرورش کا انتظام ہو سکے۔ [illegible]

سپورٹ کلیساؤں کے خادمانِ دین چھ روپیہ ماہوار سے لیکر ایک سو تئیس روپیہ ماہوار پاتے ہیں اور ان کی اکثریت تیس اور چالیس روپیہ ماہوار لیتی ہے۔ تقریباً نصف فرقے خاص فنڈوں سے خادمانِ دین کی مدد کرتے ہیں بعض نے پنشن اور پراویڈنٹ فنڈ اور بیوہ فنڈ وغیرہ کا انتظام کر رکھا ہے اور ان فنڈوں میں اکثر خادمانِ دین بھی اپنا حصہ ڈالتے ہیں۔ یو۔پی کے اعداد وشمار کے جائزہ سے معلوم ہوا ہے کہ اوسطاً ہر مسیحی خاندان ساڑھے تین آنہ سالانہ خیرات کرتا ہے یعنی اپنی آمدنی کا صرف تین سو بیسواں حصہ دیتا ہے۔ مدراس کے مسیحی اس سے بہت زیادہ دیتے ہیں اگرچہ وہ بھی کم ہوتا ہے کیونکہ وہاں ہر خاندان اوسطاً اپنی آمدنی کا ½ ۱ فی صدی دیتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ مسیحی کلیسیا ایک غریب اور مفلس جماعت ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کلیسیا جو رقم خیرات میں دیتی ہے وہ اس کی آمدنی کے مقابلہ میں ہیچ ہے جس سے ظاہر ہے کہ کلیسیا میں خیرات کرنے اور دینے کا احساس ابھی پیدا نہیں ہوا اور اگر کلیسیا کی آمدنی بڑھائی جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خیرات بھی زیادہ کرے گی۔ قربانی اور ایثار کا مادہ کلیسیا کی آمدنی کی افزائش پر منحصر نہیں ہوتا بلکہ اس کی روحانی زندگی پر منحصر ہوتا ہے۔ جب کلیسیا انفراداً اور جماعتی طور پر اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیتی ہے تو وہ تن من اور دھن سے اس کی خدمت کرتی ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہندوستان کی کلیسیا مفلس ہے لہذا وہ اس قابل نہیں کہ لائق خادمانِ دین کا انتظام کر سکے۔ لیکن یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس کے برعکس حق بات یہ ہے کہ اگر وہ لائق خادمانِ دین کا انتظام نہیں کرے گی تو کسی قابل نہ رہے گی۔

ہندوستان کی کلیسیا میں ایک خام خیالی یہ ہے کہ خادمانِ دین کی

پرورش کا انتظام مشنیں کرتی رہیں گی لیکن یہ محض خام خیالی ہے چنانچہ چرچ مشن لندن کے سیکرٹری پادری وارن صاحب لکھتے ہیں "یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ مشنری سوسائٹیوں کے پاس لامحدود روپیہ ہے اور حاجت صرف اس بات کی ہے کہ ہم ان سے روپیہ کی درخواست کریں۔ لیکن یہ خیال ایک دھوکا ہے اور اگر ہندوستانی اس وہم میں زیادہ مدت تک مبتلا رہے تو اس کا انجام تباہی اور بربادی ہے۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ ہندوستان کی کلیسیا مفلس ہے پس ہم خادمانِ دین کے گذارے کے لئے چند سالوں تک مدد کرنے کو تیار ہیں لیکن یہ ایک عارضی مدد ہے جو چند سالوں کے اندر بند کر دی جائیگی۔" ہندوستانی کلیسیا کے لئے سوال یہ ہے کہ کیا وہ اس قسم کی مدد کو بغیر تجویز ہمہ تن کوشش کرنے کے منظور کر سکتی ہے؟

فصل ششم

دینیات کے اداروں کا انتظام اور مالی کفالت

ہندوستان کی کلیسیا کو قابل خادمانِ دین کی پرورش کے انتظام کا بوجھ اپنے کندھوں پر آہستہ آہستہ اٹھانا ہوگا اور اس سلسلہ کو جاری رکھنے کے لئے دینیات کی تعلیم و تربیت کے انتظام کا بھی کفیل ہونا ہوگا۔ موجودہ زمانہ میں دینیات کے اداروں کا انتظام مغربی غیر ملکی ہاتھوں میں ہے۔ کیونکہ

ہندوستانی کلیسیا ابھی اس لائق نہیں کہ وہ اس دیگران کی تحمل ہو سکے۔ انہوں نے ابھی تک پاسبانی اور رہنمائی فرائض کو ہی سنبھالنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہندوستان کی کلیسیا یہ خیال کرتی ہے کہ دینیات کی تعلیم ایک ایسی ذمہ داری ہے جس سے اس کو صرف دور کا ہی واسطہ ہے اور چونکہ مشنری سوسائٹیاں ان اداروں کو چلا رہی ہیں، ہندوستانی کلیسیا یہ سمجھتی ہے کہ ان اداروں کو فیاضی سے چندہ دینا اس کا کام نہیں۔ بشپ بھی یہ خیال کرتے ہیں کہ ان اداروں کا انتظام کرنا صرف انہی کا حق ہے۔ پس ان اداروں کے طریق عمل کے متعلق ہندوستانی کلیسیا کو پوچھنے تک نہیں لیکن یہ باتیں درست نہیں۔ اگر کلیسیا نے صحیح طور پر نشو و نما حاصل کرنی ہے تو ان تمام خیالات کو ترک کرنا لازم ہے۔

(۱) "ہندوستانی کلیسیا کی مالی ذمہ داری"

"ہندوستان کی کلیسیا کو اس بات کا احساس ہونا چاہئے کہ اس کے خادمانِ دین کی تعلیم و تربیت اس کی اپنی ذمہ داری ہے۔ پس اس کو دوسروں کے ہاتھوں میں سپرد نہیں کرنا چاہئے۔ مستقبل کے زمانہ میں اس کو اپنے پاؤں پر خود کھڑا ہونا پڑے گا۔ اس کے سامنے بے شمار رہنمائی اور پاسبانی فرائض ہیں۔ پس کلیسیا کی زندگی کے لئے یہ از حد ضروری ہے کہ قابل خادمانِ دین کا گروہ پیدا ہو جائے جو صحیح معنوں میں اس کی پیشوائی کر سکے۔"

مذکورہ بالا الفاظ لیڈ چیف آف ناردرن "ناہ پا" نے اپنی اس رپورٹ میں لکھے ہیں جو اس نے ۱۹۴۲ء کی جنرل اسمبلی میں پیش کی تھی۔ اس رپورٹ میں یہ بھی لکھا تھا کہ مغربی کلیسیاؤں نے اس معاملہ میں زمانہ ماضی میں نہایت بیش

قیمت خدمات سرانجام دی ہیں اور ان خدمات کا جاری رکھنا از حد ضروری ہے لیکن ہندوستانی کلیسیا کو یہ جاننا چاہئے کہ یہ کام درحقیقت اس کا اپنا کام ہے جس کو اسے کوشش کر کے سنبھالنا چاہئے۔ ان کوششوں کو استقلال سے منظم طور پر اس وقت تک جاری رکھنا چاہئے جب تک یہ تمام کام مسیحیوں کے دلوں میں جاگزیں نہ ہو جائے۔ موجودہ زمانہ میں اس بات کی طرف سے بے اعتنائی کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اچھے دیندار مسیحی بھی دینیات کے اداروں کے لئے چندہ دینا اپنا فرض نہیں سمجھتے۔ حالانکہ اس اہم کام کے لئے چندہ دینا لازمی بات ہے اور چندہ دینے سے لوگوں کا خود بخود اصل بات کی طرف دھیان بھی ہو جائے گا۔ کیونکہ ان اداروں کو چندے سے زیادہ ایماندار مسیحیوں کی دعاؤں کی ضرورت ہے پس ہر کلیسیا کو سال میں ایک دن مخصوص کر دینا چاہئے جب دینیات کے اداروں کے کام کے لئے دعا کی جائے۔ جو کلیسیائیں جنتری استعمال کرتی ہیں وہ ایمبر کے چار موسموں میں بارہ روز خادمانِ دین کے کام اور ان کی تعداد میں اضافہ کے لئے دعا کرتی ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ چونکہ عید نزول کے بعد کے ہفتہ میں ایمبر کے دن آتے ہیں پس اس اتوار کے اگلے اتوار کو اس مقصد کے لئے مخصوص کر دینا چاہئے۔ آمد کا تیسرا اتوار قدیم زمانہ سے اس غرض کے لئے مقرر ہے۔ اداروں کے ذمہ دار افسروں کا بھی یہ فرض ہے کہ وقتاً فوقتاً اپنے اداروں کی رپورٹیں کلیسیاؤں کو بھیجتے رہیں تاکہ کلیسیائیں ان کے کام کی اہمیت کو محسوس کر کے ان کے لئے دعائیں کریں اور اپنی ذمہ داری کو کبھی بھلا نہ سکیں۔ پس گرجاؤں میں باقاعدہ طور پر ان اداروں کے کام کے لئے نماز کے بعد نذرانہ لینا چاہئے۔

ظاہر ہے کہ چندوں، اَن داتاؤں، اور فیسوں سے دینیات کے اداروں کے خرچ نہیں چل سکتے۔ مغربی ممالک کے ادارے بھی اس طرح نہیں چلتے ہیں ان کی مالی کفالت کے لئے اوقاف کی بیحد ضرورت ہے۔ ہندوستانی کلیسیاؤں کو مغربی کلیسیاؤں سے صلاح و مشورہ کر کے ان اداروں کے لئے وقف جائدادوں کا انتظام کرنا چاہئے۔ یہ وقف دو قسم کے ہوں۔ اول وہ وقف جس سے اداروں کے عملہ اور دیگر لوازمات کے اخراجات چل سکیں۔ دوم وہ وقف جس سے طلبا کو وظائف مل سکیں اور جو لوگ اعلےٰ دینیات کا مطالعہ کرنے کے لئے آئیں ان کی امداد ہو سکے۔ وقف جائدادوں کا ہونا نہایت ضروری اور لازمی امر ہے کیونکہ سالانہ چندے اور نذرانے وغیرہ بے قاعدگی سے گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں اور ہم دینیات کے اداروں کی بنیاد کسی لڑکھڑانے والی شے پر قائم نہیں کر سکتے۔

۲۔ اداروں کا انضمام :

اس رپورٹ کی تجاویز کو عمل میں لانے کے لئے یہ لازم آئے گا کہ یورپ اور امریکہ کی کلیسیاؤں سے دینیات کے اداروں کے قائم کرنے اور چلانے میں مدد لی جائے کیونکہ ہندوستان کی کلیسیائیں خواہ کتنی ہی امداد دیں اور اشتراک عمل سے کام لیں پھر بھی ان کے وسائل و ذرائع اس کام کے لئے ناکافی ثابت ہوں گے۔ ہندوستان کے طول و عرض میں دینیات کے اداروں کو اعلےٰ ترین پیمانہ پر قائم کر کے چلانا خالہ جی کا گھر نہیں ہوگا۔ یورپ اور امریکہ کی کلیسیاؤں کو اس بات کو مقدم اور افضل خیال کر کے باقی امور پر اسکو ترجیح دینی ہوگی۔ تمام مشنری سوسائٹیوں کا مقصد یہی ہے کہ دیسی کلیسیا قائم

قائم کریں اور ان کو اس قابل بنا دیں کہ وہ کلیسیائی اور بشارتی کاموں کو اپنے ہاتھوں میں لے سکیں اور اس مقصد برآری کے لئے خود خادمانِ دین کی اشد ضرورت ہے۔ مشنری کونسل کو بھی یہ یقین ہے کہ ہندوستان کی کلیسیا کی سب سے بڑی ضرورت ایسے اشخاص کی ہے جو روحانیت کے اوج کو پہنچے ہوئے ہوں اور جن کی تعلیم و تربیت اعلےٰ ترین قسم کی ہوئی ہو اور جو خدا کے کلام اور سکرامنٹوں کے فرائض کو بطریق احسن سرانجام دے سکیں۔ اگر یہ درست ہے تو مشنری سوسائٹیوں کو اپنے طریقِ عمل میں تبدیلی کرنی پڑے گی کیونکہ خادمانِ دین کی تعلیم و تربیت کی موجودہ حالت نہایت ناقص اور ردی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس امر کو اب تک مقدم نہیں سمجھا گیا۔ مغربی کلیسیا تین طریقوں سے اس معاملہ میں ہندوستانی کلیسیا کی مدد کر سکتی ہیں :-

اول۔ تمام دینیات کے اداروں کا عملہ بہترین قسم کا ہونا چاہئے جس میں دیسی اور پردیسی ہستیاں اعلےٰ پایہ کے ماہر ہوں۔ اس غرض کے لئے مغرب سے ایسے اشخاص کا آنا لازم ہے جو اپنے مضامین میں مہارت تامہ رکھتے ہوں۔ علاوہ ازیں قابل ترین ہندوستانیوں کو اس بات کی سہولتیں بہم پہنچنی چاہئیں کہ وہ مغربی ممالک میں اعلےٰ دینیات کی تعلیم حاصل کر سکیں۔

دوم۔ لیکچراروں کے تبادلے سے۔ اگر ایسا انتظام ہو سکے کہ مغربی اداروں کے لیکچرار کچھ مدت کے لئے ہندوستان کے اداروں میں آ کر درس دیں اور ہندوستان کے اداروں کے استاد مغربی ممالک میں جا کر کچھ مدت کے لئے لیکچر دیا کریں تو یہ نہایت مفید ہوگا۔ باہمی تبادلے سے طرفین کو فائدہ ہوگا اور دونوں کی کلیسیائی زندگی تقویت پکڑے گی۔ دونوں ملکوں کے طلبا ایک دوسرے کے زاویۂ نگاہ سے واقف ہو جائیں گے اور کلیسیائی جامعیت

کا احساس بڑھ جائے گا

سوم۔ مالی امداد سے۔ یہ امداد راس المال اور سالانہ اخراجات دونوں قسم کے اخراجات کے لئے دینی ہوگی۔ راس مالہ کی تجاویز پر عمل کرنے کے لئے دینیات کے مدرسوں اور کالجوں کی عمارات اور دیگر لوازمات کے لئے زرِ کثیر درکار ہوگا۔ علاوہ ازیں عملہ کو مضبوط کرنے کے لئے اور اداروں کو چلانے کے لئے سالانہ اخراجات کی ایک بڑی رقم درکار ہوگی۔

فصلِ ہفتم

نیشنل کرسچن کونسل اور انٹرنیشنل مشنری کونسل کی ذمہ داری

دینیات کی تعلیم میں بہت سے ایسے اہم امور ہیں جن کا تعلق تمام ہندوستان کے ساتھ ہے۔ ان مسائل پر صلاح و مشورہ کرنا ضروری ہے اور یہ ضرورت نیشنل کرسچن کونسل کی دینیات کی کمیٹی پورا کرتی ہے۔ اسی طرح صوبائی کرسچن کونسلوں کی دینیات کی کمیٹیاں صوبائی مسائل کے متعلق غور و خوض اور صلاح و مشورہ کرتی ہیں۔ واجب ہے کہ ہندوستان کی تمام زبانوں کے رقبوں میں ایسی کمیٹیاں قائم کی جائیں جو ان امور پر غور کریں جن کا ذکر اس خاکہ میں

دینیات کے مدرسوں کے تحت میں کیا گیا ہے اور نیشنل کرسچن کونسل کی کمیٹی ان صوبوں کی کمیٹیوں کی کارروائیوں کو باہم ربط دے۔ اس کمیٹی کو چاہئے کہ مختلف دینیات کے کالجوں میں بھی تعلق قائم کرے اور دینیات کی تعلیم کے متعلق جو تجاویز کی گئی ہیں ان کا آغاز کرے۔ مرکزی کمیٹی کا یہ بھی کام ہے کہ جب تمام اداروں سے اخراجات کے اندازے اور لاگت کے تخمینے آ جائیں تو وہ ہندوستان اور مغربی ممالک کی کلیسیاؤں کے سامنے تمام ضروریات کو پیش کرنے کے لئے ایک بیان مرتب کرے۔ اس بیان میں صاف طور پر بتایا جائے کہ کونسی ضروریات موجودہ وسائل و ذرائع سے پوری ہو سکتی ہیں اور کن ضروریات کے لئے مغربی کلیسیاؤں سے امداد کی حاجت ہوگی۔ یہ موزوں ہوگا کہ دینیات کی کمیٹی سال میں ایک دفعہ فراہم ہو کر دینیات کے مدرسوں اور کالجوں کے کام کی ترقی کا جائزہ لیا کرے۔

ہندوستانی کلیسیا انٹرنیشنل مشنری کونسل کے ذریعہ اپنا تعلق مغربی کلیسیاؤں کے ساتھ پیدا کرتی ہے۔ اس کونسل کے ماتحت مشنری سوسائٹیوں کی کانفرنس یعنی امریکن کانفرنس کی ایک کمیٹی ہندوستان کے مشن سے تعلق رکھتی ہے اور نیشنل کرسچن کونسل اس کمیٹی کے سامنے اپنی ضروریات پیش کرتی ہے۔ لیکن ان کمیٹیوں کا تعلق تمام ہندوستان سے ہے اور خاص قسم کے کام کے ساتھ نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کانفرنسوں کی ایک کمیٹی ایسی ہو جس کا کام صرف دینیات کی تعلیم کے ساتھ ہو تاکہ اس رپورٹ کی تجاویز پر عمل ہو سکے۔ اور اگر ایسی کمیٹی مستقل طور پر ان تمام امور پر صلاح و مشورہ دے سکے جن کا تعلق دینیات کی تعلیم کے ساتھ ہے تو یہ اور بھی اچھا ہوگا۔ بہر حال ایسی کمیٹی ضرور وجود میں آنی چاہئے۔

ذریعہ ہندوستان کی کلیسیا خادمانِ دین کی تعلیم و تربیت کے مشکل اور پیچیدہ معاملات اور حل طلب سوالات کو مغربی کلیسیاؤں کے سامنے موثر طور پر پیش کر سکے بلکہ صلاح و مشورہ کے بعد کوئی نتیجہ پر مرتب کر سکے۔ اگر ہر مغربی ملک میں اس قسم کی ایک کمیٹی قائم ہو جائے تو انٹرنیشنل مشنری کانفرنس اس کے کام کو باہم مربوط کر سکتی ہے۔

باب نہم

اجتماعی کوشش کی مصلحت

فصلِ اوّل

تاریخِ کلیسیا کا سبق

خداوند مسیح اس دنیا میں آسمان کی بادشاہت قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس نصب العین کو حاصل کرنے کی خاطر آپ نے بارہ رسولوں کو چنا اور اپنی تمام توجہ کو ان کی تعلیم و تربیت کی جانب مبذول فرمایا۔ ابن اللہ نے ان مٹھی بھر آدمیوں کی ایسی اعلےٰ پیمانہ پر تعلیم و تربیت کی کہ انہوں نے چند سالوں کے اندر دنیا کی کایا پلٹ دی۔ کلیسیا کو خداوند کی طرف سے یہ نمونہ عطا ہوا ہے

جس پر اس کی ابھی مہر ہے۔ کلیسیا کی تاریخ میں ہم بار بار یہ دیکھتے ہیں کہ جب کلیسیا نے خداوند کا نمونہ اختیار کیا اور اس نے چند محدود اشخاص کو بہترین طریقہ پر تعلیم و تربیت دے کر شیطانی افواج پر حملہ بول دیا، فتح اور کامرانی اس کی ہم رکاب ہوئیں اور وہ تاریکی کی تمام طاقتوں پر ظفر مند ہوئی۔ اس کے ذریعہ نور ہر جگہ چمکا اور نیم جان اور مردہ قالبوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ جب خداوند کے جہاد کے طریقہ کار کے اختیار کرنے سے کلیسیا اور دنیا دونوں کی حالت سدھر گئی۔

اسکندریہ کا مدرسۂ دینیات

دوسری صدی عیسوی کے اواخر میں دینیات کا یہ مدرسہ ایسے اعلےٰ پیمانہ پر کام کرتا تھا کہ اس کی نظیر مسیحی دنیا کی تاریخ میں ہم کو مشکل سے ملے گی۔ رسولی تبلیغی مساعی کے ڈیڑھ سو سال کے اندر کلیسیا نے حیرت انگیز ترقی کر لی تھی۔ مشکلات زمانہ اس کے خلاف پرے باندھے بیٹھے تھے۔ غیر مسیحی رعایا کی نظر میں وہ ایک نفرت انگیز شے تھی۔ بار بار کی ایذا رسانیوں نے اس کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ لیکن کلیسیا نہایت دلیرانہ طور پر ہر قسم کی مشکلات پر غالب آئی۔ اس نے اعلےٰ ترین قسم کے استادوں اور دینی پیشواؤں کا ایک لاثانی سلسلہ جاری کر رکھا تھا جس کا دوسری صدی کے اواخر میں یونانی۔ رومی فلسفہ کے ساتھ سابقہ پڑا اور سکندریہ کے مدرسے نے دوامی شہرت حاصل کی۔ ان دنوں میں سکندریہ ہر قسم کے علم و فلسفہ کا مرکز تھا۔ اس میں اعلےٰ ترین قسم کے کتب خانے تھے۔ اس میں ایسے استاد پڑھاتے تھے جو ہر بگانہ

رواگر رہے تھے۔ لائق طلبا جوق در جوق اس کی یونیورسٹی میں داخل ہوتے
تھے۔ اس علم و فضل کے مرکز میں مسیحی کلیسیا نے پہلی بار کوشش کی کہ
اس خلیج کو عبور کیا جائے جو مسیحی عقائد اور یونانی فلسفہ کے درمیان حائل
تھی۔ اسکندریہ کا دینیات کا مدرسہ خادمان دین کی تعلیم و تربیت کا مرکز
بن گیا جس میں عالم اور مصنف سب اعلیٰ ترین پایہ کی تربیت حاصل کرتے
تھے تاکہ غیر مسیحی خیالات اور فلسفہ کے درمیان مسیحیت کی تبلیغ کر سکیں۔
کلیمنٹ اور اوریجن جیسی قابل ترین ہستیاں اس مدرسہ میں اتالیق کے
فرائض سرانجام دیتی تھیں۔ انہوں نے مسیحی فلسفہ اور عقائد پر کتابیں تصنیف
کیں جنہوں نے مسیحی خیالات پر زبردست اثر ڈالا۔ ان کی تحریرات نے
مسیحی دنیا میں تہلکہ مچا دیا اور کلیسیا کے خادمان دین کی تعلیم و تربیت
کی ہیئت کو تبدیل کر دیا۔ اسکندریہ کے مدرسہ دینیات کے ذریعہ رومی
سلطنت کے طول و عرض میں لوگ مسیحیت کو وقعت کی نگاہ سے دیکھنے
لگ گئے۔

(۲) ڈومنکی راہبوں کا حلقہ

رومی سلطنت کے زوال کے بعد گیارھویں اور بارھویں صدی مسیحی
میں مغربی کلیسیا کے سامنے نئے مسائل اور نئے موقعے پیش آئے۔
تجارت کے فروغ حاصل کرنے سے شہروں کے رہنے والے دیہات کے
شرفا سے زیادہ اقتدار پکڑ گئے۔ وہ تعلیم میں بھی ان سے بڑھ چڑھ کر
تھے۔ پس کلیسیا تعلیم یافتہ خادمان دین کی ضرورت کو محسوس کرنے لگی
جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں جا بجا کیتھیڈرل اسکول کھل گئے۔ اور

یونیورسٹیاں قائم ہو گئیں۔

اس نازک زمانہ میں مقدس ڈومنک کے راہبوں کے حلقہ نے کلیسیا
کی آڑے وقت میں مدد کی۔ مقدس ڈومنک ہسپانیہ کا درویش تھا جس
نے واعظین کی جماعت بندی کر رکھی تھی۔ اس جماعت نے قرون وسطیٰ
میں کلیسیا کی زندگی پر زبردست اثر ڈالا۔ جس طرح فرانسسکی راہبوں
نے کلیسیا کی سماجی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی تھی اسی طرح
ڈومنکی راہبوں نے کلیسیا کی ذہنی اور عقلی مسائل کی جانب اپنی عنان
توجہ منعطف کی۔ بہت لوگوں کے ذہنوں میں ڈومنکی راہبوں کی نسبت
محکمہ احتساب کے ساتھ ہے لیکن درحقیقت یہ ان راہبوں کے
پروگرام کا حصہ نہیں تھا بلکہ ان کا جوش ان کے اس پہلو کا ذمہ دار تھا۔
یہ راہب مطالعہ و حفظ اور پاسبانی کے کام پر نہایت سختی سے زور دیتے
تھے وہ خود نہایت قابل اشخاص تھے۔ پس وہ ایک وسیع پیمانہ پر خادمان
دین کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرتے تھے۔ اس زمانہ میں دینیات کی
تعلیم کی اشد ضرورت تھی اور ان راہبوں نے پیرس، آکسفورڈ، کیمبرج
کولون اور بولونا میں بین الاقوامی مدرسے اس ضرورت کو پورا کرنے کے
لئے کھول رکھے تھے۔ ڈومنکی علما میں سب سے زیادہ مشہور فاضل ٹامس
ایکوی نس گزرا ہے جس کے حیرت انگیز اور جدت پسند دماغ نے یونانی
فلسفہ اور مسیحی عقائد کو ایک ایسے مسیحی فلسفہ میں یکجا کر دیا جو معقول تھا۔
وہ انقلابی نہیں تھا تاہم اس کے نتائج انتہائی طور پر بنیادی تھے۔ ٹامس کی تعلیم
کے بانیوں راہب اور درویش کلیسیا اور اس کے خادمان دین کی تعلیم
و تربیت میں مشغول تھے۔ اگرچہ وہ ٹامس کے پایہ کے نہ تھے۔

خادمانِ دین کی ذہنی ترقی اور نشوونما کے علاوہ یہ راہب ان کو پاسبانی کام کے فرائض نہایت اعلیٰ پیمانے پر سکھاتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خادمانِ دین میں وعظ و منادی کی رسم دوبارہ تازہ ہو گئی۔ جنہوں انگلستان اور مقدس ایمبروز کے بعد کینٹربری، رومن اور فرانس ہی میں جو وعظ کئے جاتے تھے اور وعظ کرنا صرف بشپ کا فرض خیال کیا جاتا تھا لیکن ان راہبوں کی کوششوں کے وسیلے ہر جگہ وعظ ہونے شروع ہو گئے۔ انہوں نے وعظ کے علم و فن پر کتابیں بھی تصنیف کیں۔ جن میں کتاب مقدس کے مختلف مقامات اور آیات پر وعظوں کے نوٹ اور مثالیں بھی تھیں تاکہ خادمانِ دین کو درست طور پر وعظ کرنے میں مدد ملے۔ چونکہ اس تاریک زمانہ میں راہبوں کا حلقہ ہی علم و فضل کی شمع کو جلائے رکھتا تھا اور خادمانِ دین کی تعلیم و تربیت کر کے کلیسیا کی بہترین خدمت ادا کی۔

۴۔ پروٹسٹنٹ تحریک اور اس کی مخالفت

رومن کیتھولک کلیسیا کی بہبود کی اصلاح کرنے میں جان کیلون نے نمایاں کام سرانجام دیئے اس لئے خادمانِ دین کا گروہ پیدا کیا جن کی تعلیم و تربیت نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی تھی۔ اس نے مسیحی گھرانوں میں دینی تعلیم کو ایسا مروج کر دیا کہ لوگ اپنے ایمان کی وجوہات و دلائل دیگر پیش کرنے کے قابل ہو گئے اور اس نے اپنے چھوٹے سے شہر جنیوا کو تمام یورپ کے پروٹسٹنٹوں کے لئے پناہ گاہ بنا دیا۔ لیکن وہ خاص بات جس کے لئے تاریخ کلیسیا کے صفحوں میں اس کی یادگار ہمیشہ رہے گی۔ خادمانِ دین

کی تعلیم و تربیت ہے۔ اس نے کمال دانشمندی سے کام لیکر اس فرض کو بطرز احسن انجام دیا کہ دین کے خادموں کا ایک ایسا گروہ عطا کر دیا جو علم، جوش اور انضباط کے لحاظ سے رومی کلیسیا سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اس کی تعلیم و تربیت کی اولین شرط یہ تھی کہ صرف وہی اشخاص اس مقدس عہدے پر مامور کئے جائیں جن کو اس بات کا یقین ہو کہ خود خدا نے ان کو اس کام کے لئے بلایا ہے۔ یہ بلاہٹ تین طریقوں سے آزمائی جاتی تھی۔ اوّل خادمانِ دین امیدوار سے نہایت تجسسانہ سوال پوچھتے دوم۔ کلیسیا کی بلاہٹ اور سوم اس مقدس عہدہ پر نہایت سنجیدگی سے مامور کیا جاتا لیکن تعلیم و تربیت تقرری کے ساتھ ختم نہ ہو جاتی تھی کیونکہ کیلون اس بات پر نہایت اصرار کرتا تھا کہ کتب مقدسہ کی باقاعدہ تلاوت اور مطالعہ کیا جائے اور ان کے مضامین پر بحث و تمحیص کی جائے۔ اس طریق عمل نے پروٹسٹنٹ کلیسیاؤں پر بڑا اثر ڈالا۔ کیونکہ جنیوا سے خادمانِ دین کی جماعت تعلیم و تربیت حاصل کر کے ہالینڈ، جرمنی، انگلینڈ، سکاٹ لینڈ، پولینڈ اور سب سے زیادہ فرانس کے ملکوں کے مظلوم پروٹسٹنٹوں کی خدمت کرتی تھی۔ یہ خادمانِ دین دانا، عاقل، نڈر اور جوشیلے مبلغ تھے جن کو اپنی جانوں کی بھی پرواہ نہ تھی۔ ان کے مخالف بھی ان کا لوہا مانتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ تنہا پاکیزہ زندگیاں بسر کرنے والے لوگ ہیں جن کی زبانوں پر یسوع کا نام ہے اور جن کے دلوں میں یسوع کی روح بستی ہے۔

رومی کلیسیا نے پروٹسٹنٹ تحریک کا سدباب کرنے کے لئے بھی یہی طریقہ اختیار کیا کہ اپنے خادمانِ دین کی جماعت پیدا کی جس کی تعلیم و

وتربیت نہایت اعلیٰ پیمانہ پر کی گئی تھی۔ اس کی ایک مثال اگنیشیس لوئیولا کی سوسائٹی آف جیزس ہے۔ دوسری مثال کونسل آف ٹرینٹ کا طریقۂ عمل ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومی کلیسیا نے بھی اپنے خادمانِ دین کی تعلیم وتربیت کا وہ شاندار طریقہ اختیار کیا جو ان دنوں میں بھی اس میں مروّج ہے۔ تیسری مثال سترھویں صدی میں فرانس کے پریسٹوں کی زندگی کے احیا کی تحریک ہے جس نے ان کی تنظیم کر کے خشک ہڈیوں میں زندگی کا دم پھونک دیا۔

رومی کلیسیا کے سامنے اس زمانہ میں سوال یہ نہیں تھا کہ پریسٹوں کی تعداد کو بڑھایا جائے بلکہ یہ تھا کہ ان کے نصب العین کو بلند کیا جائے اور ان کی تعلیم وتربیت کے معیار کو اونچا کیا جائے۔ رومی کلیسیا اس زبردست پروٹسٹنٹ تحریک کی مخالفت صرف اسی ایک ہتھیار سے کر سکی اور اگر لوئیولا کے اعلیٰ التعلیم یافتہ پریسٹ نہ ہوتے اور پریسٹوں کے تعلیم وتربیت کے طریقوں کو کلیتہً بدل کر ان کو بہترین قسم کا نہ کیا جاتا اور روحانی انضباط پر سخت گیری سے زور نہ دیا جاتا تو رومی کلیسیا پروٹسٹنٹ تحریک کی ہرگز مزاحمت نہ کر سکتی۔

پروٹسٹنٹ کلیسیا اور رومی کلیسیا دونوں نے اپنے اپنے مقصد کو پورا کرنے کی خاطر ایک ہی طریقہ کار کو اختیار کیا کہ انہوں نے دینیات کی تعلیم کو اعلیٰ ترین پیمانہ پر جاری کر کے اس کو اثر آفرین بنا دیا۔

(۴) جان ویسلی کی تحریک

اٹھارویں صدی میں انگلستان کے ملک میں جان ویسلی اور اس کے

جوشیلے ہمنوا تھے جنہوں نے کلیسیا کی خشک ہڈیوں میں از سرِ نو زندگی کا دم پھونک دیا۔ ان ہم خیالوں میں سے بعض اشخاص اسی طرح کبھی چرچ آف انگلینڈ کے خادمانِ دین ہوا کرتے تھے۔ ابتدائی میتھوڈسٹوں کے دورہ کرنے والے واعظوں کے اور قرونِ وسطیٰ کے خانہ بدوش درویشوں کے طریقۂ کار میں مشابہت اور مماثلت ہے۔ ویسلی نے اپنے مددگاروں کی تعلیم و تربیت کے لئے کوئی دینیات کا مدرسہ قائم نہیں کیا تھا لیکن وہ اس بات پر بے حد اصرار کرتا تھا کہ وہ محنتِ شاقہ کر کے کتبِ مقدسہ کا مطالعہ کریں اور دینیات کی کتابیں نہایت غور و فکر سے پڑھیں۔ وہ واعظین کے نصاب کے لئے ایسی کتب تجویز کرتا تھا جو مشکل ہوتی تھیں اور اس بات کی تاکید کرتا تھا کہ علم و فضل اور روحانی جوش میں تضاد نہیں بلکہ وہ ایک دوسرے کے ممد و معاون ہیں۔ چنانچہ وہ کہتا ہے "مفید کتابوں کا مطالعہ باقاعدہ طور پر جاری رکھو۔ صبح کا وقت مطالعہ کے لئے وقف کر دو یا چوبیس گھنٹوں میں کم از کم پانچ گھنٹے مطالعہ کیا کرو۔ اگر تم کہو کہ میں تو صرف بائبل شریف کو ہی پڑھنا چاہتا ہوں تو میں جواب دوں گا کہ کیا تم دوسروں کو صرف بائبل کی تعلیم دیتے ہو اور صرف بائبل کی ہی باتیں سنا کرتے ہو یا دیگر امور پر بھی آپس میں گفتگو کیا کرتے ہو؟ اس قسم کی باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تم نہ بائبل کو پڑھتے ہو اور نہ دوسری کتابوں کا مطالعہ کرتے ہو یہ محض جوش کا ابال ہوتا ہے اگر تم کو بائبل کے سوا کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں تو تم مقدس پولوس سے بھی افضل ہو۔ اگر تم کہو کہ مجھے مطالعہ میں کچھ لطف نہیں آتا تو تم پڑھنے کا ذوق پیدا کرو۔ اگر تم کہو کہ میرے پاس کتابیں نہیں تو مجھے اطلاع دو میں

کی دیکھ بھال کی تھی ہندوستان میں دیہاتی کلیسیاؤں کی ضروریات کو ہمیشہ پورا کرنا ہے۔ اٹھارھویں صدی میں صنعتی ترقی کے زمانہ میں انگریزی کلیسیا نے بشارت دینے کی ضرورت کو محسوس کیا تھا۔ انیسویں صدی میں اس نے اپنے آپ کو قومیت کی تیوں سے آزاد کر کے کلیسیائی جامعیت کو بحال کیا۔ ہندوستان میں بھی فی زمانہ قومیت کا چرچا زوروں پر ہے۔ امریکہ کی کلیسیا کی مثال سے یہ بتا دیا ہے کہ نئی قائم شدہ کلیسیائیں کس طرح نشو ونما پا کر ترقی کر سکتی ہیں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان کی کلیسیا ان تمام پہلوؤں پر غور کر کے اپنے لئے سبق حاصل کر سکتی ہے۔

فصل دوم

کلیسیائے ہندوستان کی اشد ترین ضرورت

کوئی صحیح العقل شخص جس نے ہندوستانی کلیسیا کے ارتقائی مسائل کا سطحی مطالعہ بھی کیا ہے یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ تمام مسائل اور مشکلات کو حل کرنے کی کوئی ایک واحد ترکیب ہے لیکن یہ اظہر من الشمس ہے کہ خدا کی بادشاہت منادی کرنے تعلیم دینے پاسبانی کے فرائض ادا کرنے اور انجیل کی بشارت کی ذمہ داری کو پورا کرنے اور ساکرامنٹوں کی ادائیگی کے ذریعہ قائم اور استوار ہوتی ہے۔ ہم با تقدس یاد رکھ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ خدا کا کام ہے خدا اس کو خود کرے گا کتاب مقدس ہم کو سکھاتی ہے کہ خدا انسانی وسائل اور ذرائع کو اپنی مقصد برآری کی خاطر استعمال کرتا ہے اور خدا کی روح کے بغیر ہم اس کے احکام اور مرضی کو پورا نہیں کر سکتے ہیں رضائے الٰہی اور انسانی کوشش میں باہمی تعلق گہرا ہے اور ہم ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کر سکتے۔ خداوند کا نمونہ ہمارے پیش نظر ہے اور کلیسیا کی تاریخ ہم کو بتلاتی ہے کہ خداوند کے کام کے لئے مسیحی پاسبانوں اور معلموں کی تربیت کی ازحد ضرورت ہے جہاں تک ہماری عقل پہنچ سکتی ہے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کلیسیا کے قیام اور بقا اور اس کی وسعت کے لئے اعلیٰ ترین پیمانہ کی تعلیم و تربیت نہ صرف قرین مصلحت ہے بلکہ نہایت لازمی اور لابدی امر ہے۔

ہندوستان کی کلیسیا کی ضروریات بے شمار ہیں لیکن ان کے وسائل

اور ذرائع محدود ہیں۔ پس عاقل مسیحی مدبروں کے سامنے یہ مشکل کام درپیش ہے کہ وہ کس معاملہ کو مقدم اور کس کو موخر سمجھیں اس تقدیم و تاخیر کے مسئلہ کو حل کرنا آسان کام نہیں کیونکہ عملاً یہی خیال آتا ہے کہ سبھی اپنی اپنی جگہ ضروری اور لازمی امور ہیں لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ جنگ کے بعد ایسا زمانہ آرہا ہے جس میں روپیہ کی قلت بیش از بیش ہوگی اور موجودہ وسائل و ذرائع و محدود بلکہ مفقود ہو جائیں گے تو لازماً یہ فیصلہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے کہ کس امر کو مقدم سمجھا جائے اور کس شے کو موخر خیال کیا جائے تاکہ مقدم امور ہماری کوششوں کے مرکز بن جائیں پس لازم ہے کہ کلیسیا اپنی تمام تر توجہ ان امور پر مبذول رکھے جن پر اس کے قیام اور بقا کا دارومدار ہے اور یہ خدمت گزاری کا کام ہے جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتی پس اس بات کو دیگر تمام امور پر فوقیت حاصل ہے اسی کو مقدم سمجھنا چاہیئے نیشنل کرسچن کونسل بھی خدمت گزاری کی ضرورت کو ہندوستانی کلیسیا کی اشد ترین ضرورت سمجھتی ہے اس کا خیال ہے کہ کلیسیا کی سب سے بڑی اور مقدم ضرورت یہ ہے کہ خادمانِ دین کا ایسا گروہ پیدا ہو جائے جو روح سے معمور ہو جو کام کر مشنوں کی جگہ بہترین طور پر کر سکے جس کی تعلیم و تربیت اعلیٰ ترین پیمانہ پر کی گئی ہو تاکہ اس کی قابلیت کا لوہا مخالف و موافق دونوں مان جائیں اور یہ صرف اسی حالت میں انجام پا سکتا ہے جب کلیسیا اور مشنری سوسائٹیوں کے ذمہ دار اصحاب دونوں اس کام کو پورا کرنے کا بیڑا اٹھائیں کیونکہ اسی ایک امر پر کلیسیائے ہندوستان کی فلاح و بہبود کا انحصار ہے اگر کلیسیائیں اس کو بدرجہ احسن پورا کرنے کا تہیہ کر لیں تو جنگ کے بعد کے زمانہ میں ہندوستان کے مسیحی کام کا یہ ایک ایسا محور ہوگا جس کے گرد تمام کلیسیائی کوششیں گھومیں گی اور کلیسیا کے باقی تمام امور بھی بدرجہ احسن سرانجام پا سکیں گے۔